اِصلاحی تقریریں

عمل پر ابھارنے والی عام فہم اور بصیرت افروز تقاریر
علماء، طلباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد ہشتم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مرتب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی

بیت العلوم

۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کو "تقریریں" کہا جائے، چہ جائیکہ انہیں "اصلاحی تقریریں" کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور "جامعہ اشرفیہ بذوا" کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کی سات جلدیں شائع کر چکے ہیں، اور اب چند مزید تقریروں کا مجموعہ "اصلاحی تقریریں (جلد ہشتم)" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور "بیت العلوم" کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کر دے۔

واللہ المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ "دارالعلوم کراچی" کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقع پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجال کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہو جائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت و طریقت کا ایک حسین

امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمد للہ "بیت العلوم" کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام "اصلاحی تقریریں" کے نام سے شائع کر رہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم، اور ہفتم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد ہشتم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط و ترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسع ضبط و ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات و احادیث کی تخریج بھی کر دی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرم مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ "بیت العلوم" کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحت و عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔

آمین

والسلام

محمد ناظم اشرف

مدیر "بیت العلوم"

فہرست

خدمت خلق اور سفارش کے فضائل

پردہ پوشی

﴿شادی بیاہ سے متعلق شرعی ہدایات﴾

﴿ہم کہاں جارہے ہیں؟﴾

﴿سفر معراج﴾

﴿اختلاف رحمت، افتراق زحمت﴾

﴿ تین اہم شعبے تعلیم، تبلیغ، جہاد ﴾

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے؟

﴿شریعت وطریقت کا تلازم﴾

﴿عالم اسلام کے حالات ایک اجمالی جائزہ﴾

﴿موریشس میں اسلامی حالات اور وقت کا تقاضا﴾

﴿ختم بخاری شریف﴾

تفسیر احکام القرآن کی تکمیل

خدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

مقام: جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

تاریخ: اپریل ۲۰۰۲ء

ترتیب و تزئین: محمد عبداللہ میمن

﴿خدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد لله نحمده و نستعينه، و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا . من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادي له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا و سندنا و مولانا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله و صحبه اجمعين وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.﴾

اما بعد:

﴿عن عبدالله بن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم "المسلم أخو المسلم لايظلمه ولايسلمه من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته﴾ (بخاري، باب لايظلم المسلمُ المسلم ولايسلمه، رقم الحديث: ۲۲۳۱، مسلم، باب تحريم الظلم، رقم الحديث: ۴۶۷۷)

حدیث کا ترجمہ

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

آج سے ہم جس باب کو شروع کر رہے ہیں اس میں یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں کو آپس میں کس طرح سلوک کرنا چاہئے۔ اس میں سب سے پہلا باب قائم کیا ہے "دوسرے مسلمانوں کی حاجتوں کو پورا کرنا" اس سلسلے میں علامہ نووی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی جو اوپر بیان ہوئی۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

> "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور اسے بے یارومددگار نہیں چھوڑتا (یعنی دشمنوں کے حوالے نہیں کرتا) اور جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگ جاتا ہے۔"

مسلمانوں کی خدمت کرنے کی صورتیں

یہ عظیم الشان فضیلت ہے۔ ہم تھوڑی سی کوشش کر کے اس فضیلت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اس کے حاصل کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً ایک عالم دین ہے جو دن رات دین کے کاموں میں لگا ہوا ہے۔ یا ذاتی کام نہ ہونے کے برابر ہے، کسی کو مسئلہ بتا دیا، کسی کو سبق پڑھا دیا، کتاب یا کوئی تحریر کر دی، کسی کو تعویذ دے دیا، دم جھاڑ کر دیا وغیرہ، یہ شخص بھی اپنے بھائیوں کے کام میں لگا ہوا ہے بلکہ دوسروں کے مقابلے میں عظیم الشان کام ہے۔ کیونکہ یہ لوگوں کی دینی حاجتیں پورا کرنے میں لگا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق ایسے آدمی کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

آپ دیکھیں گے تو ایسے بہت سے علماء اور صلحاء ملیں گے جن کی ظاہری آمدنی بہت تھوڑی سی ہے۔ کسی مدرسے میں پڑھاتے ہیں یا مسجد میں امامت و خطابت ہے۔ وہاں سے معمولی تنخواہ مل جاتی ہے لیکن ان کے اندر اطمینان و فرحت پائی جاتی

ہے۔ اور وہ محض اللہ کی رضا کیلئے دین کے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ ڈیوٹی کے اوقات کی تو تنخواہ مل جاتی ہے۔ لیکن باقی کاموں کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں، مفت میں یہ سب کام کرتے ہیں۔

کم تنخواہ کے باوجود علماء کی مالی حالت اچھی کیوں ہوتی ہے؟

آپ کو ان کی معاشی حالت ایسے بہت سے لوگوں سے زیادہ بہتر نظر آئے گی، جن کو اس سے دگنی تنخواہ ملتی ہے۔ ان کاموں میں لگنے والے خود بھی اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ایسے اسباب پیدا فرماتے رہتے ہیں کہ ان کی معاشی حالت بہتر رہتی ہے۔ اول تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی تنخواہ میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ دوسرا آدمی جو کام ایک ہزار میں کرتا ہے، اس کا یہ کام سو میں ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مرتبہ دوسرے ذرائع آمدنی بھی پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً تجارت کا کوئی ذریعہ بن گیا۔ کہیں سے ہدیہ تحفہ مل گیا وغیرہ۔

آدمی یہ سوچتا ہے کہ میں تو معمولی سی تنخواہ پر کام کر رہا ہوں۔ ملازمت کے علاوہ دوسرے اوقات میں مسلمانوں کے کام مفت کر رہا ہوں۔ یاد رکھئے! اللہ میاں کسی سے مفت کام نہیں لیتے۔ اس کا معاوضہ ضرور دیتے ہیں لیکن یہ نہیں بتلاتے کہ ہم کہاں سے دے رہے ہیں اور کس کام کا معاوضہ دے رہے ہیں؟ ادھر آپ نے مسئلہ بتایا، ادھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے کاروبار میں اچھا سا گاہک بھیج دیا۔ اگر آپ مسئلہ بتانے کی فیس مقرر کرتے اور مسئلہ بتانے پر وہ فیس وصول کرتے، اب مفت بتانے کی صورت میں وہ گاہک اس سے زیادہ پیسے دے کر جائے گا۔ یا کہیں سے تحفہ آجائے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ اس کا ضرور بدلہ دیتے ہیں۔

بے لوث خدمت کرنے والے ڈاکٹر

اسی طرح اگر کوئی ڈاکٹر ہے اور وہ بے لوث ہو کر خدمت خلق کرتے ہیں تو اللہ

تعالیٰ انہیں اس کا بدلہ عطا فرماتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسے بہت سے طبیب دیکھے ہیں کہ چھوٹی سی دکان ہے، بہت زیادہ فرنیچر بھی اس میں نہیں ہے۔ سستی سی دوا دیتے ہیں۔ طمع اور لالچ نہیں، بہت ذمہ داری سے علاج کرتے ہیں۔ صرف اتنے پیسے لیتے ہیں کہ گزارا ہو جاتا ہے۔ بلکہ اور کاروں کی فکر نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے دل میں اس کی تمنا ہوتی ہے۔ ایسے بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ مختلف ذریعوں سے دیتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے ان کی گزر بسر اچھی ہو جاتی ہے۔

حکیم محمد مختار صاحبؒ کا واقعہ

ہمارے جاننے والے ایک حکیم صاحب تھے۔ جناب حکیم محمد مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ بڑے اللہ والے بزرگ تھے۔ دارالعلوم کے قبرستان ہی میں مدفون ہیں۔ مولانا حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ عرصہ نیو ٹاؤن مدرسہ کے مہتمم رہے ہیں ان کے والد تھے۔ بڑے ماہر طبیب تھے۔ عام طور پر ہم ان سے علاج کرایا کرتے تھے۔

جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے پہلے دل کا سخت دورہ پڑا۔ ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں انہیں داخل کیا گیا۔ کئی دن تک بے ہوش رہے۔ میرے اکلوتے بیٹے مولانا محمد زبیر صاحب جو اب دارالعلوم کے استاذ ہیں، اس وقت یہ بچے تھے۔ ان کو ٹائیفائڈ تھا اور وہ بھی شدید۔ والد صاحب کو دورہ پڑنے سے ایک روز پہلے انہیں ایک سو چھ بخار تھا، بلکہ شاید دورہ پڑنے میں یہ پریشانی بھی شامل تھی۔

والد صاحب کے ہسپتال داخل ہونے کے بعد ہماری ساری توجہ اسی طرف لگ گئی۔ زبیر صاحب کے علاج کی طرف توجہ میں کمی آگئی۔ ان کا بخار لمبا ہوتا گیا یہاں تک دو مہینے تک ان کا بخار نہیں اترا۔ ایک دن ان کا حال یہ تھا کہ ہم انہیں آواز دیں بھی تو بولتے نہیں تھے۔ آنکھیں بھی نہیں کھولتے تھے۔ کیونکہ غذا بالکل بند کر رکھی تھی۔ ایک طبیب نے یہ غلط مشورہ دیا تھا کہ غذا بالکل بند کر دیں اور دوا دیتے رہیں۔ تین ہفتے سے غذا نہیں مل

رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں یہ کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ اس وقت ہماری حالت بہت تشویش ناک ہوگئی۔ والدہ صاحبہ ہسپتال میں اور زبیر میاں کی یہ کیفیت۔

جمعہ کا دن تھا۔ طے ہوا کہ میں یہیں رہوں گا۔ جمعہ کے بعد مولانا تقی صاحب ہسپتال جائیں گے اور حکیم مختار صاحب کو لے کر آئیں گے۔ چنانچہ مولانا تقی صاحب جمعہ کے بعد گئے اور حکیم مختار صاحب کو لے کر آگئے۔ انہوں نے کہا کہ بچے کی حالت بہت خطرناک ہو چکی تھی۔ ان کے کہنے پر فوراً نرم غذا دی گئی جس سے زبیر صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔

اس کے بعد انہوں نے باقاعدہ سے علاج شروع کر دیا۔ پھر علاج اور غذا کا صحیح استعمال کیا گیا جس سے حالت روز بروز بہتر ہوتی چلی گئی۔ ایسے معلوم ہوا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری زندگی عطا فرمائی۔

اسی علاج کے دنوں میں جب کہ ابھی تک بخار ختم نہیں ہوا تھا اور مریض کی حالت نازک تھی۔ ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک روز صبح کی نماز کے وقت ہمارے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے باہر آکر دیکھا تو حکیم مختار صاحب کھڑے تھے۔ فرمانے لگے کہ میں آج تہجد کے وقت گھر سے چلا تھا۔ (ان کا گھر ناظم آباد میں تھا) صدر میں آکر فجر کی نماز پڑھی اور پھر وہاں سے بس میں بیٹھ کر یہاں آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ خیریت تو ہے؟ فرمایا کہ رات آپ نے دوا لانے کے لئے آدمی بھیجا تھا۔ میں نے زبیر صاحب کے لئے جو دوا تیار کی تھی، آپ کا آدمی اسے لینے کے بجائے کسی اور مریض کی دوا اٹھا کر لے آیا۔ میں اس تشویش میں آیا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ وہ دوا اسے دے دیں۔ ان کی دوا یہ ہے (اور پھر وہ دوا میرے حوالے کر دی)۔

آپ اندازہ کیجئے کہ آج کوئی طبیب ایسا ہے؟ آج کا ڈاکٹر تو یہی کہے گا کہ مریض مرتا ہے تو مرے اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اور میری کوئی ذمہ داری بھی نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ غلطی ہمارے آدمی کی تھی لیکن معاملہ جان کا تھا، جس کے لئے انہوں نے اتنی تکلیف برداشت کی۔

طبیب اور ڈاکٹر بھی اگر مسلمانوں کی خدمت کے خیال سے لگا رہتا ہے، صرف لالچ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں بھی پوری کرتا ہے۔ آخرت میں تو اس کو نوازیں گے ہی، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں روکتے نہیں ہیں۔ اس کی کارسازی کرتے رہتے ہیں۔ کرکے دیکھ لیں۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دوسروں کی خدمت کا جتنا بھی موقع مل جائے، خواہ دینی خدمت ہو یا دنیاوی، بہت بڑے اجر و ثواب کی بات بھی ہے اور خود اللہ تعالیٰ کی مدد بھی حاصل ہوتی ہے۔

دوسروں کی خدمت کے درجات

پھر دوسروں کی خدمت میں بھی درجہ بدرجہ آگے ہوتی ہے۔ دوسروں کی خدمت میں سب سے پہلا حق ماں باپ کا ہے، پھر بیوی بچوں کا ہے، پھر بہن بھائیوں کا ہے، پھر پڑوسیوں کا ہے، پھر دوسرے مسلمانوں کا اور پھر غیر مسلموں کا۔ غیر مسلموں کا حق بھی ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بس جانور بن کر رہو۔ ان کے ساتھ کوئی خیر کا معاملہ نہ کرو۔ غیر مسلموں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کا بھی بڑا ثواب ہے کیونکہ انسانی برادری میں وہ بھی شامل ہیں۔

مسلمان کی بے چینی دور کرنے کے فضائل

حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے:

﴿ومن فرّج عن مُسلمٍ كربةً فرّج الله عنها كربةً من كرب يوم القيمة﴾

"اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی بے چینی کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ

(اس کے عوض میں) قیامت کی بے چینیوں میں سے اس کی کسی
بے چینی کو دور کر دیا۔"

بعض مرتبہ انسان کسی بے چینی میں مبتلا ہوتا ہے۔ مثلاً سر میں درد ہے، پیٹ میں تکلیف ہے، یہ بھی بے چینی ہے۔ کسی طرح کوئی بیمار ہے لیکن کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں۔ یا کوئی ظالم اس پر ظلم کرنے والا ہے اور اس کے پاس اپنے بچاؤ کی طاقت نہیں، جس کی وجہ سے وہ بے چین ہے۔ غرضیکہ جس طرح کی بھی بے چینی ہو، اگر کوئی مسلمان اس کی بے چینی کو دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی کسی بے چینی کو دور فرمائیں گے۔

اندازہ کیجئے کتنا عظیم الشان بدلہ ہے! دنیا کی بے چینی آخرت کی بے چینی کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ دنیا کی بے چینی عارضی اور معمولی ہے، آخرت کی بے چینی دائمی اور بہت زیادہ تکلیف دہ ہے۔ آج اگر کوئی شخص کسی کی یہ عارضی بے چینی دور کرے گا تو کل قیامت کے روز اس کا یہ عمل اس کے کام آئے گا اور اس کی ایک بہت بڑی بے چینی دور کی جائے گی۔

کسی مسلمان پر آسانی کرنے کی فضیلت

ایک حدیث میں ہے کہ

﴿مَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ (صحیح مسلم، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، رقم الحدیث ۲۶۹۹)

"جو شخص آسانی کرتا ہے کسی تنگدست پر (یا مشکل میں پھنسے ہوئے پر) تو اللہ تعالیٰ اس پر آسانی کرے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔"

تنگدست پر آسانی کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص پر آپ کا قرض ہے۔ وہ غربت کی وجہ سے اسے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ آپ نے اس کو مہلت دے

نے وہاں جا کر غلط کام کئے تو ان غلط کاموں میں آپ کا بھی حصہ لگے گا۔ اس لئے سفارش کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے۔ جتنی بات آپ کو معلوم ہے، اس سے زیادہ کے بارے میں نہ کریں۔

سفارش سننے والے کی ذمہ داری

اور سفارش سننے والے کیلئے یہ ہے کہ جس کی سفارش کی گئی، اگر وہ واقعۃً اس منصب کا اہل ہے تو اس کی سفارش قبول کرے، لیکن اگر اس کی نظر میں کوئی اور شخص اس سے زیادہ اس منصب کا اہل ہے تو اسے چھوڑ کر سفارش والے آدمی کو لینا ناجائز ہوگا۔

پھر بھی سفارش کا ثواب مل جائے گا

ایک حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی شخص اپنی کسی حاجت کے لئے آتا تھا تو آپؐ اپنے ہم نشینوں کی طرف توجہ کرکے فرماتے:

﴿اشفعوا تؤجروا ويقضي اللّٰه علىٰ لسان نبيه ما أحبّ﴾ (صحيح البخاري باب تحريض على الصدقة والشفاعة فيها، رقم الحديث ١٣٢٥)

"تم سفارش کرو، تمہیں اس کا اجر ملے گا، پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے وہ فیصلہ کرائے گا جو پسند کرے گا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر سفارش کرنے والے کی سفارش کے مطابق عمل نہ بھی ہو تو بھی اسے سفارش کرنے کا ثواب مل جاتا ہے۔ آپ نے کسی مالدار آدمی سے غریب آدمی کی سفارش کی اور کہا کہ میں جانتا ہوں یہ بیچارہ بہت غریب ہے، اگر آپ اس کی مدد کریں گے تو بہت اچھا ہوگا لیکن اس نے مدد نہ کی تو پھر بھی آپ کو سفارش کا ثواب مل جائیگا۔

سفارش کے اندر اصرار کرنا جائز نہیں

لیکن سفارش کے معاملے میں یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے کہ شریعت کے اندر سفارش کی حدود ہیں۔ سفارش کرنے کی تو اجازت ہے لیکن سفارش پر اصرار کرنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ مسلم میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو میں جانتا تھا کہ وہ بڑا اچھا مسلمان ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا۔ میں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکے سے کہا کہ میرے نزدیک یہ پکا مومن ہے، اسے بھی آپ کچھ دے دیجئے۔ ایک لفظ انہوں نے ایسا بولا تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی لیکن اسے کچھ دیا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے پھر سفارش کی۔ آپ نے پھر اسی لفظ کی اصلاح کی اور اس بار بھی کچھ نہیں دیا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے پھر سفارش کی تو آپ نے فرمایا:

﴿أقتالاً يا سعد!﴾ (صحيح مسلم، باب اعطاء من يخاف على ايمانه، رقم الحديث: ۱۰۵۸)

”اے سعد! کیا تم مجھ سے لڑائی کرو گے“۔

مطلب یہ کہ کیا تم مجھ سے لڑائی کر کے زبردستی کا فیصلہ کراؤ گے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ سفارش کے اندر اصرار کرنا جائز نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس آپ سفارش لے کر جاتے ہیں، اس کی بھی تو اپنی کچھ مجبوریاں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، کچھ پابندیاں اور حدود ہوتی ہیں مثلاً ایک شخص ایک بہت بڑا ادارہ چلا رہا ہے اور آپ جا کر اصرار کر رہے ہیں کہ فلاں صاحب بہت اچھے ہیں، ان کو اپنے ہاں ملازم رکھ لیں، ہو سکتا ہے کہ اسے ملازم رکھنے میں ادارے کی مصلحت

نہ ہو کیونکہ ادارے کا سربراہ ہر پہلو پر غور کر کے فیصلہ کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی سفارش پر اصرار کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ایک آدمی کی تو خیر خواہی کر رہے ہیں لیکن دوسرے آدمی کو پریشان کر رہے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت عارفیؒ کا معمول

ہمارے والد ماجد اور ہمارے مرشد ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحبؒ دونوں بزرگوں کا یہ معمول تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی سفارش کے لئے آتا کہ فلاں افسر یا فلاں وزیر آپ کے معتقد ہیں۔ آپ ان سے سفارش کر دیں کہ میرے بیٹے کو ملازم رکھ لیں یا فلاں کام کر لیں۔ تو یہ حضرات اولاً تو عام طور پر حکام کے پاس سفارش نہیں کرتے تھے۔ بے تکلف افسر ہوتا تو سفارش کر دیتے، لیکن اگر کسی افسر سے بے تکلفی نہ ہوتی تو اس کے پاس سفارش نہ بھیجتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ آج کل سفارش بہت بدنام ہو چکی ہے۔ تو سفارش کرنے میں یہ خطرہ رہتا کہ وہ سوچے گا اچھا ہم نے مولانا صاحب سے مسئلہ پوچھ لیا تھا یا ان کی مجلس میں جا کر بیٹھے تھے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ہمارے پاس سفارش آنا شروع ہو گئی۔ اس طریقے سے وہ دینداروں کے پاس آنا ہی چھوڑ دیں گے جس سے دین کا نقصان ہوگا۔

اور بے تکلف افسروں کی طرف سفارش کرنے میں بھی اصرار نہیں کرتے تھے بلکہ اس طرح سفارشی رقعہ لکھتے تھے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حامل ہذا میرے دوست ہیں/عزیز ہیں یا رشتہ دار ہیں (جو تعلق ہوتا وہ لکھتے) ان کی فلاں حاجت ہے۔ اگر قانون کے خلاف نہ ہو اور آپ کی مصلحت کے خلاف بھی نہ ہو اور ان کا یہ کام ہو گیا تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

کبھی سفارش کے اندر یہ نہیں کہا کہ آپ یہ کام کر دیں بلکہ یوں فرماتے کہ اگر ان کا یہ کام ہو گیا تو بہت خوشی ہو گی تا کہ دوسرا شخص اس پر عمل کرنے میں تنگی محسوس نہ کرے۔

سفارش کا صحیح طریقہ بھی وہی ہے۔ جو ان بزرگوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ اس سے مخاطب پریشان نہیں ہوتا البتہ اس کی توجہ ایک مستحق شخص کی طرف دلا دی جاتی ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی خدمت خلق کرنے اور سفارش کے صحیح اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

پردہ پوشی

﴿پردہ پوشی﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہٖ و نتوکّل علیہ و نعوذُ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا ، من یھدہِ اللّٰہُ فلا مضل لہٗ و من یُضلِلہ فلا ھادِیَ لہٗ و نشھد أن لا الٰہ إلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد أن سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ و صحبہٖ أجمعین و سلم تسلیماً کثیراً.﴾

امّا بعد.

﴿عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: لایستر عبدٌ عبداً فی الدنیا إلاّ سترہُ اللّٰہ یوم القیامۃ (مسلم باب بشارۃ من ستر اللّٰہ علیہ فی الدنیا بان یستر علیہ فی الآخرۃ ، رقم الحدیث: ۲۵۹۰)

آیت کریمہ اور حدیث شریف کا ترجمہ

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

آج ہم جس بات کو شروع کر رہے ہیں اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بلا عذر شرعی کسی مسلمان کے عیب کو بیان کرنا جائز نہیں۔ اس سلسلے میں علامہ نووی نے جو آیت ذکر کی، اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"جو شخص اچھی بات کی سفارش کرے اُس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا"۔ (سورۃ نساء، آیت ۸۵)

اور جو حدیث سب سے پہلے بیان ہوئی، جسے میں نے خطبے میں پڑھا۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"نہیں پردہ پوشی کرتا کوئی بندہ کسی بندے کی مگر (اس کے بدلے) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔"

اسلامی آداب کا تقاضا

اسلامی آداب اور تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آپ کسی کو کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھیں تو اسے چھپائیں، کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں بلکہ گناہ کرنے والے پر بھی ظاہر نہ ہونے دیں کہ میں نے تمہیں دیکھا ہے ورنہ اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو شخص اس طرح دوسروں کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کا اجر اسے اس طرح دے گا کہ قیامت کے دن اس کے گناہوں کی بھی پردہ پوشی کرے گا۔ یعنی ان گناہوں کو معاف کر دے گا اور کسی پر ظاہر بھی نہ کرے گا حتیٰ کہ فرشتوں کے سامنے بھی ظاہر نہیں کریگا۔

ہم میں سے ہر ایک اس کا محتاج ہے کہ.....

ہم میں سے ہر ایک اس بات کا محتاج ہے کہ ہمارے گناہ چھپے رہیں، ہم سب

گنہگار ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی گناہوں سے پاک نہیں ہے۔ کسی کے کم ہیں، کسی کے زیادہ ہیں۔ کسی کے چھوٹے ہیں، کسی کے بڑے ہیں۔ لہٰذا ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کا راز راز ہی رہے۔ خدانخواستہ اگر سب کے راز کھل جائیں تو سب کے سب رسوا ہو جائیں گے۔ سب ذلیل ہو جائیں گے۔ اپنے چھوٹوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے، اپنے شاگردوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے۔ اپنے مریدوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے حتیٰ کہ اپنے گھر والوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے۔ اگر آپ دوسروں کے عیب چھپا کر انہیں ذلت سے بچائیں گے تو اللہ رب العالمین آپ کے عیب چھپائیں گے۔

بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں

شریعت کا اصل حکم تو یہی ہے لیکن بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں اور وہ یہ کہ مثلاً آپ کو معلوم ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کے گھر میں چوری کر کے روپیہ پیسہ لوٹا ہے اور جس کی چوری ہوئی ہے، اسے معلوم نہیں کہ چوری کس نے کی ہے۔ اب اگر آپ چور کے عیب کو چھپانے رکھیں گے تو دوسرے شخص کا حق مارا جائے گا۔ ایسی صورت میں آپ کے لئے اس کا جرم چھپانا جائز نہیں بلکہ جس شخص کا مال چوری ہوا ہے، اس پر اس جرم کو ظاہر کرنا واجب ہے، کیونکہ یہاں اگر آپ چور پر رحم کرتے ہوئے اس کے عیب کو چھپائیں گے تو ایک بے گناہ کے اوپر ظلم لازم آئے گا۔ جس شخص کی چوری ہوئی ہے، وہ اس معاملے میں بے گناہ اور مظلوم ہے اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ تم مظلوم کی مدد کرو۔ یہاں مظلوم کی مدد یہ ہے کہ اسے چور کے بارے میں بتاؤ اور اگر ہو سکے تو پیسہ واپس دلوانے میں اس کا ساتھ دو۔

اسی سے ایک اور بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص صرف پردہ پوشی والی روایت کا ترجمہ پڑھے گا تو اسے اس بات کی خبر نہیں ہوگی کہ اس سے کونسی صورت مستثنیٰ ہے حالانکہ جو صورتیں مستثنیٰ ہیں، وہ بھی کسی دوسرے انسان نے مستثنیٰ نہیں کیں بلکہ خود

اسی طرح بعض لوگ قرآن شریف کا صرف ترجمہ چھاپ دیتے ہیں۔ ہمارے بزرگ اس کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ترجمے کے ساتھ اس کے مختصر حواشی اور تشریحی نوٹس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر صرف ترجمہ چھاپا جائے تو اس کی مختصر تشریح سامنے نہ ہونے کی وجہ سے عام آدمی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جتنے ترجمے کئے ان کے ساتھ ساتھ مختصر حاشئے بھی ضرور لکھے۔

صرف زبان جاننے سے کسی فن میں مہارت حاصل نہیں ہوتی

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض وہ لوگ جنہوں نے عربی زبان میں کسی وجہ سے مہارت پیدا کرلی ہے مثلاً ایم اے عربی کیا ہے یا کسی عرب ملک میں برسوں رہے ہیں اور وہ عربی میں اچھا بول لیتے ہیں، اچھا لکھ لیتے ہیں لیکن باقاعدہ مستند عالم دین نہیں، تفسیر اور حدیث کے اندر مہارت حاصل نہیں کی، ایسے لوگ بعض مرتبہ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں، درس قرآن دینا شروع کر دیتے ہیں یا تفسیر لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی عام طور پر غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ بہت ہی سنگین غلطیاں کر ڈالتے ہیں۔

محض کسی زبان سے واقفیت حاصل ہو جانے سے آدمی کسی علم کا ماہر نہیں ہو جاتا۔ اس کی مثال سمجھیں مثلاً میڈیکل کی کوئی کتاب انگریزی میں ہو۔ اور کوئی شخص انگریزی میں تو اعلیٰ درجے کی مہارت رکھتا ہے لیکن اس نے باقاعدہ میڈیکل نہ پڑھی ہو۔ وہ اس کتاب کا مطالعہ کر کے لوگوں کا علاج کرنے لگے یا میڈیکل کالج میں جا کر کہے کہ میں اس کالج میں لیکچر دے سکتا ہوں کیونکہ یہ کتاب انگریزی میں ہے اور مجھے انگریزی خوب آتی ہے۔ ڈاکٹری کی کتاب لکھ سکتا ہوں اور ڈاکٹری کی فلاں کتاب کی شرح بھی لکھ سکتا ہوں تو کوئی بھی اس کی بات ماننے کیلئے تیار نہیں ہوگا اور اگر وہ ایسا کرے گا تو خود بھی جہالت میں مبتلا ہوگا، دوسروں کو بھی نقصان پہنچے گا، کیونکہ صرف زبان جاننے سے کوئی

آدمی کسی فن کا ماہر نہیں ہو سکتا۔

بھلا انہیں تفسیر لکھنے کا کیا حق ہے!

آج کل یہ بھی ایک رواج ہو گیا ہے کہ ساری زندگی تو گزری تجارت اور ملازمت وغیرہ میں۔ بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہے۔ اسمبلی کے رکن ہوئے، گورنر ہوئے، بعض لوگ وزیر اعظم بھی بن گئے، صدر بھی بن گئے، ریٹائرڈ ہو گئے تو پتہ چلا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ تفسیر لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ دیکھ رہے ہیں، اس کے نیچے اپنی طرف سے تفسیر لکھ رہے ہیں۔ بھلا انہیں تفسیر لکھنے کا کیا حق ہے جنہیں عربی بھی نہیں آتی!

بلاشبہ اسلام سب کا ہے لیکن......

اگر ان سے کہا جائے کہ آپ یہ غلط کام کر رہے ہیں تو فوراً جواب ملتا ہے کہ کیا اسلام پر صرف علماء ہی کا راج ہے؟۔ اسلام تو ہم سب کا ہے تو جس طرح انہیں تفسیر لکھنے کا حق ہے، ہمیں بھی ہونا چاہئے۔

بلاشبہ اسلام سب کا ہے، صرف مولویوں کا نہیں ہے لیکن تمہیں اسلام کا حلیہ بگاڑنے کی اجازت تو نہیں دی جاسکتی۔ اگر آپ قرآن کی تفسیر لکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کا علم تو حاصل کریں۔ خوب سمجھ لیجئے! استاذ کے بغیر کوئی آدمی کسی فن کا ماہر نہیں بنتا۔ اگر کوئی شخص ڈاکٹری کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ڈاکٹر بننا چاہے یا انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجینئر بننا چاہے تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اسی طرح قرآن کی تفاسیر اور تراجم کا مطالعہ کر کے آدمی کبھی مفسر نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے باقاعدہ علم سیکھنا پڑے گا۔

خود اپنا گناہ ظاہر کرنے کی بھی اجازت نہیں

یہاں تک اس حدیث سے متعلق گفتگو ہوئی جس میں ایک مسلمان کو اس بات

کی ترغیب دی گئی کہ وہ دوسروں کی پردہ پوشی کرے، اگر کسی کو گناہ کرتا دیکھے تو اسے ظاہر نہ کرے۔ جس طرح دوسروں کے گناہ کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح خود اس شخص کو بھی چاہیے کہ اپنے گناہ کا اظہار نہ کرے۔ شریعت میں اس کی بھی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے

﴿كل أمتي معافى إلا المجاهرين﴾ (صحيح البخاري،
باب ستر المؤمن على نفسه، رقم الحديث ٤٤٣١)

"میری امت کے سب لوگوں کے گناہوں کی معافی ہو سکتی ہے سوائے ان لوگوں کے جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں۔ (ان کی معافی نہیں)"

کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کے لئے معافی نہ ہونے کی وجہ

کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کی معافی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دو گناہ کر رہے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ دوسرے یہ کہ یہ جرم علی الاعلان کیا۔ جو ایک طرح کا ڈھٹائی پن ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں ہے، ہم بے خوف ہیں۔ ہم جو چاہیں کریں، ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں (العیاذ باللہ) یہ جرم بہت سخت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے جرم پر نہ شرمندہ ہے اور نہ ہی وہ اسے برا سمجھ رہا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آ رہا ہے۔

گناہ تو سب سے ہوتے ہیں لیکن گناہ کے بعد توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کو بڑا پسند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

﴿كل بني آدم خطاء وخير الخطائين التوابون﴾

(مستدرك على الصحيحين، ٢٤٤/٢، رقم الحديث ٧٦١٧)

"تمام انسان خطا کار ہیں لیکن سب سے اچھے خطا کار وہ ہیں جو

سب سے زیادہ توبہ بھی کرتے رہتے ہیں"۔

اس لئے بندہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی اس سے گناہ ہو جائے، فوراً توبہ کرلے۔ لیکن جو بندہ اس گناہ کو علی الاعلان کرتا ہے، وہ اسے برا ہی نہیں سمجھتا تو وہ اس سے توبہ کہاں کرے گا؟ اس سے گناہ کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر خدانخواستہ کسی آدمی سے گناہ ہو جائے تو وہ اسے چھپائے، کسی پر ظاہر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا رہے کہ یا اللہ! اسے چھپا لیجئے۔ مجھے ذلیل اور رسوا نہ کیجئے۔

مجاہرہ یعنی کھلم کھلا گناہ کرنے کا ایک مطلب اسی حدیث کے اگلے حصے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا کہ:

﴿وإنّ المجاهرة أن يعمل الرجل بالليل عملاً ثم يُصبِحَ وقد ستره اللّٰهُ عليه فيقول: يا فلان عملت البارحة كذا و كذا.﴾

"علی الاعلان گناہ کرنے میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے رات کو (چوری چھپے) کوئی گناہ کیا تھا (جس کی کسی کو خبر نہیں تھی) اللہ تعالیٰ نے اس کو چھپا رکھا تھا لیکن جب وہ صبح کرتا ہے تو اپنے کسی دوست سے کہتا ہے کہ آج رات میں نے فلاں گناہ کیا تھا۔"

یہ عمل بھی مجاہرہ میں داخل ہے اور یہ بھی بہت بڑی جسارت اور بے شرمی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس کے گناہ کو چھپا رکھا تھا لیکن اس نے خود ہی اپنے گناہ کو ظاہر کر دیا۔ گویا اس نے خود اپنی پردہ دری کر دی۔ تو جس طرح دوسروں کے لئے اس کی پردہ دری کرنا جائز نہیں خود اس کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ اپنے گناہوں کو دوسروں کے سامنے بیان کرتا پھرے۔

لقمہ بنا دیں گے۔ آج ہمارے معاشرے میں یہ بات بھی داخل ہو چکی ہے کہ گناہ کرنے کے بعد خود ہی اس کا اظہار کرتے پھرتے ہیں اور اظہار کرتے وقت ان پر ندامت کا ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس عیب سے ہماری حفاظت فرمائے اور اپنے گناہوں پر سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین۝

شادی بیاہ سے متعلق شرعی ہدایات

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

مقام: مکان جاوید صدیقی ااا

موقع: تقریب منعقدہ شادی عزیزم جاوید صدیقی ااا

ترتیب و عنوان: اعجاز احمد صمدانی

﴿شادی بیاہ سے متعلق شرعی ہدایات﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہٖ و نتوکّل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرورِ انفسنا و من سیئاتِ اعمالنا. من یّھدہِ اللّٰہ فلا مضلّ لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد انّ سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً کثیراً﴾

امّا بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم○

﴿یٰۤا ایھا الناس اتقوا ربّکم الّذی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ و خلق منھا زوجھا و بثّ منھما رجالاً کثیراً و نساءً ج واتقوا اللّٰہ الّذی تساءلون بہٖ والارحام ط

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (النساء، آیت نمبر ۱)

مہینوں پہلے شادی کا بخار چڑھ جاتا ہے

بزرگان محترم، میرے اور اپنے عزیز، محترم خواتین، میری ماؤں، بہنوں اور بیٹیو!

سب سے پہلے میں اس تقریب کو منعقد کرنے والے حضرات کو مبارکباد دیتا ہوں جنہوں نے ایک اچھا، مفید اور مبارک سلسلہ شروع کیا ہے۔

شادی کے سلسلے میں نکاح سے پہلے کئی دن سے اور نکاح کے کئی دن بعد تک طرح طرح کی تقریبات اور اجتماعات کرنے کا رواج ہمارے ہاں موجود ہے بلکہ روز بروز بڑھتا جارہا ہے اور ان میں بے شمار باتیں ناجائز ہوتی ہیں۔ مثلاً فضول خرچی، دکھاوا، بے کار رسمیں، وقت اور پیسے کا ضیاع وغیرہ۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی شادی ہوتی ہے تو مہینوں پہلے سے شادی کرنے والوں پر شادی کا بخار چڑھ جاتا ہے۔

شاید دنیا کی اور کسی بھی قوم میں شادی کی اتنی رسمیں نہیں ہوتیں جتنی ہندوؤں میں اور ہمارے ہاں ہوتی ہیں۔ ہمارے اندر یہ رسمیں دراصل ہندوؤں سے ہی آئی ہیں۔ ہمارے جاوید صاحب نے یہ اچھا سلسلہ شروع کیا ہے کہ شادی کے کچھ روز پہلے یہ تقریب منعقد کی ہے۔ الحمد للہ، میں دیکھتا ہوں کہ میمن برادری اور گجراتی برادری میں یہ اچھا سلسلہ چل گیا ہے۔ اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔

نکاح کی تقریب وعظ و نصیحت کا موقع نہیں

بعض لوگ شادی کے دن نکاح کی تقریب میں یہ چاہا کرتے ہیں کہ کوئی وعظ و تقریر ہو جائے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ موقع وعظ و تقریر کا نہیں ہوتا۔ یہ تفریح اور ملاقاتوں کا ایک اجتماع ہوتا ہے۔ عورتیں، بچے بڑے اور جوان سب ایک دوسرے سے ملاقاتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ وہ آتے ہی خوشی منانے کے لئے ہیں۔ اس موقع پر اگر وعظ و تقریر رکھی جائے تو وہ کچھ بے موقع ہو جاتی ہے۔ اس کا خاص فائدہ بھی نہیں ہوتا اور

توجہ سے سنی بھی نہیں جاتی۔ یہ بہت اچھا سلسلہ ہے کہ نکاح کی تقریب سے پہلے خاص اس مقصد کے لئے یہ اجتماع رکھا گیا ہے۔

جس رات کو ہونے والی شادی بیاہ کی تقریبات میں حتی الامکان نہیں جاتا لیکن اس اجتماع میں آنے کا تقاضا اس وجہ سے پیدا ہوا کہ یہ خواتین و حضرات کے لئے ایک اچھا موقع ہے کہ وہ دین کی باتیں سنیں اور ہم سنائیں۔

رسموں کی وجہ سے بیٹی زحمت بن گئی

آج کل شادی بیاہ کی رسموں کی وجہ سے یہ معاملہ اتنا دشوار ہو گیا ہے کہ غریب اور کم مالی گنجائش رکھنے والے لوگوں کے لئے ان رسموں کو پورا کرنا بڑی مصیبت بن گیا ہے۔ میرے ایک رشتہ دار کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی تین بیٹیوں کی شادی کی۔ تیسری بیٹی کی شادی کے بعد میری ان سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ ”میں تو ایک ہی دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! کسی کو بیٹی نہ دینا“۔ غور کیجئے! بیٹی تو اللہ کی رحمت ہے لیکن ان رسموں کی وجہ سے آج وہ زحمت بن گئی۔

کوئی ایک رسم تھوڑی ہے۔ رسمیں ہی رسمیں ہیں جو منگنی کے وقت سے شروع ہوتی ہیں۔ منگنی ایک مستقل تقریب ہے جس میں خطیر رقم خرچ ہوتی ہے۔ پھر اسی طرح ہر بعد میں آنے والے مرحلے میں نئی نئی طرح کی رسمیں ادا کی جاتی ہیں اور ان پر بھی ڈھیروں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اب بیچارے وہ لوگ جن کے پاس قارون کا خزانہ نہیں ہے کہ وہ اتنی رسموں کو نبھائیں اور قیمتی جہیز دیں، ان کے لئے مسئلہ بن جاتا ہے۔ ایک بھائی نے بڑی دھوم دھام سے شادی کی اور دوسرے کے پاس اتنی وسعت نہیں تو وہ بیچارہ قرضہ لے گا یا کوئی اور ناجائز کام کرے گا۔ جھوٹی عزت برقرار رکھنے کے لئے پتہ نہیں کیا کیا دھندے کرے گا۔ آج ہمارے معاشرے میں جو بڑے پیمانے پر کرپشن موجود ہے اس کی ایک بڑی وجہ فضول خرچی ہے اور فضول خرچی کا ایک بہت بڑا باب ہماری یہ

شادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان بیماریوں سے نجات عطا فرمائے۔

نکاح کے خطبے میں پڑھی جانے والی آیات

آپ سنتے ہوں گے کہ جب نکاح کا خطبہ پڑھا جاتا ہے تو اس میں تین آیات پڑھی جاتی ہیں۔

﴿۱۔ یَا أَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ الخ﴾ (سورۂ نساء کی پہلی آیت)

﴿۲۔ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران۔ ۱۰۲)

﴿۳۔ یا ایها الذین امنوا اتقوا الله وقولوا قولا سدیدا﴾

ترجمہ: ۱۔ ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے ان کی بیوی کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم اس خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔ بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔''

۲۔ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے کسی حالت پر مت جان دینا۔''

۳۔ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو۔''

ازدواجی تعلقات میں تقویٰ کی اہمیت

ان تینوں آیات میں توجہ طلب بات یہ ہے کہ ان کا پہلا جملہ ''تقویٰ'' کے حکم پر

مشتمل ہے۔ ان آیات کے پڑھنے کا معمول تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تین آیات کی کیا خصوصیات ہیں؟ تو جتنا آپ غور کریں گے یہی بات سمجھ میں آئے گی کہ اس نکاح کے وقت سے لے کر آخر دم تک میاں بیوی دونوں کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ "خدا کا خوف" ہے۔ اگر اللہ سے ڈریں گے تو دونوں ایک دوسرے کے حقوق بھی ادا کریں گے اور ایک دوسرے کو خوش بھی رکھیں گے بلکہ ایک دوسرے کے خاندان کو ان سے ملنے جلنے والوں کو بھی خوش رکھیں گے۔ لیکن اگر اللہ کا خوف نہیں ہوگا تو پھر طاقت اور زور میں جس کا پلہ بھاری ہو جائیگا، وہ دوسرے کو دبا لے گا۔

یوں تو تقویٰ کی ضرورت زندگی کے ہر شعبہ میں ہے، تجارت میں بھی ہے اور سیاست میں بھی، حکومت میں بھی ہے اور عدالت میں بھی، صنعت میں بھی ہے اور زراعت میں بھی، لیکن ازدواجی تعلق میں تقویٰ کی سب سے زیادہ ضرورت اس وجہ سے ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات کو قانون کے ذریعے سے درست نہیں کیا جا سکتا۔ صرف پولیس کے ذریعے ان تعلقات کو نہیں نبھایا جا سکتا، عدالتی فیصلوں کے ذریعے سے میاں بیوی ایک دوسرے سے اپنے اپنے حقوق نہیں لے سکتے۔

اس کی ایک ادنیٰ سی مثال سمجھیں۔ مثال کے طور پر ایک شوہر ہے وہ اپنی بیوی کے حقوق میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا لیکن مسکرا کر بات نہیں کرتا۔ جب بھی بات کرتا ہے اس کی تیوریوں پر بل ہوتے ہیں۔ کیا اس کو کسی عدالت میں آپ چیلنج کر سکتے ہیں؟ یا تھانے میں رپٹ لکھوا سکتے ہیں؟ یا قانوناً کر اسے زبردستی مجبور کر سکتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے خندہ پیشانی کے ساتھ بات کرو ہرگز نہیں لیکن اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر وہ مسکرا کر بات نہیں کرے گا تو تعلقات میں اتنی کشیدگی پیدا ہوگی کہ آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے پہلے نفرت پیدا ہوگی۔ پھر جھگڑے اور ناچاقیاں شروع ہو جائیں گی اور نہ

جائے پھر کہاں سے کہاں تک معاملہ جا پہنچے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے گھر میں داخل ہوتے

تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ گھر تشریف لاتے تو آپ کے چہرہ انور پر تبسم ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ سفر سے تشریف لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہونے لگے تو آپ کا چہرہ انور ناگواری کے اثرات کی وجہ سے سرخ ہوگیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی تاب نہ لاسکیں فوراً عرض کیا کہ میں اللہ سے توبہ کرتی ہوں، آپ مجھے بتائیں کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پردے پر تصویر لگی ہوئی ہے۔

چنانچہ پھر ان پردوں کو پھاڑ دیا گیا اور ان کو تکیوں میں اس طرح سے استعمال کیا گیا کہ تصویر ختم ہوگئی۔ (صحیح بخاری، باب التجارۃ فیما یکرہ لبسہ، للرجال والنساء، رقم الحدیث: ۵۹۹۹، مسلم، باب تحریم صورۃ حیوان الخ ورقم الحدیث ۲۱۰۷)

اب دیکھئے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی عادت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائیں تو آپ کے چہرے پر تیوریاں چڑھی ہوئی ہوں۔ چنانچہ اس کو برداشت نہیں کرسکیں۔ فوراً معافی مانگی اور وجہ دریافت کی۔

ان چیزوں کا اہتمام ''تقویٰ'' کے بغیر نہیں ہوسکتا

ایک رات کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں سورہے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھا کہ میں سوچکی ہوں۔ آپ بہت آہستہ سے اٹھے، پاؤں کی طرف سے آہستہ آہستہ چل کر حجرے کے دروازے تک پہنچے۔ آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر آہستہ دروازہ بند کیا۔ (صحیح مسلم، باب ما یقال عند دخول القبور والدعاء لأھلھا، رقم

الحدیث. (۳۰۵) اس کے بعد طویل قصہ ہے۔ یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر احتیاط سے اٹھے کہ پاؤں کی چاپ نہ سنائی دے، دروازے کھولنے اور بند کرنے کی آواز پیدا نہ ہوتا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نیند خراب نہ ہو جائے۔ ان چیزوں کا اہتمام اللہ کے ڈر اور آخرت کے حساب کے خوف کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ عورت خلقی طور پر کمزور پیدا ہوئی ہے۔ اگر خدا کا خوف نہیں ہوگا تو اسے مرد دبا لے گا۔ اور یہ آج کل ہو رہا ہے۔ آج کل بکثرت یہ حال نظر آتا ہے کہ عورتوں کو میراث نہیں ملتی۔ باپ کا انتقال ہوتا ہے۔ ساری میراث بھائی بانٹ کھاتے ہیں۔ عورتیں منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں۔

بیوی باندی بن کر نہیں آتی

بہت سے گھروں میں یہ عادت ہے کہ شادی اس لئے کرتے ہیں کہ گھروں میں ایک کام کرنے والی باندی آ جائے گی۔ اس پر ساس بھی حکومت چلائے گی اور سسر بھی، دیور بھی حکومت کریں گے اور نندیں بھی۔ گویا سارے خاندان کی خدمت کرنا اس کا فرض منصبی ہوگا۔ حالانکہ شریعت نے اسے کسی کی باندی نہیں بنایا بلکہ وہ شوہر کی زندگی کی ساتھی ہے۔ شریعت نے کسی کو یہ حق نہیں دیا کہ اس پر اس طرح حکومت چلائی جائے جس طرح ہمارے معاشرے میں چلائی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ خدا کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

حضرت عارفیؒ کا عجیب معمول

میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اتنے سال میری شادی کو ہو گئے (غالباً ۳۰ سال بتلائے) اس عرصے میں میں نے کبھی اپنی بیوی سے لہجہ بدل کر بات نہیں کی اور کبھی میں نے اپنے کسی کام کے لئے نہیں کہا۔ بکثرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بیٹھی ہیں اور گلاس ان کے قریب رکھا ہے۔ اگر میں گلاس اٹھانا چاہوں تو مجھے اٹھانا پڑیگا اور اگر ان سے کہوں گا تو اٹھانا نہیں پڑے گا، دوسرا تھ

سے اعتماد سے نہیں میں بھی ان سے یہ نہیں کہتا کہ فلاں کام کر دو۔ یہ وہ بات ہے کہ وہ اپنے شوق سے خود میری خدمت کرتی ہے اور میری راحت رسانی کی فکر کرتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جب شوہر ایسا پاکباز، دوسروں کی رعایت کرنے والا ہوگا، ایسی محبت کرنے والا ہوگا تو بیوی بھی اس پر اپنی جان قربان کرے گی۔ ویسے بھی ہمارے ہندو پاک کی عورتیں اپنے شوہروں پر سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔ اپنا گھربار، اپنا خاندان اور والدین کی آغوش چھوڑ کر دوسرے گھر کو اپنا گھر بنا لیتی ہیں۔ اگر شوہر اور سسرال سے ان کو محبت ملے تو اپنا پچھلا گھر بھلا دیتی ہیں لیکن یہ باتیں خدا کے خوف سے ہی آتی ہیں۔

اور جہاں خدا کا خوف نہیں ہوتا وہاں عورت باندی بن کر رہتی ہے۔ اس کی جان تک لی جاتی ہے حتیٰ کہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ دیور نے بھاوج کی پٹائی کر دی۔ یہ کس قدر افسوسناک بات ہے۔

تقریب شادی کے منکرات کے اثرات

آج کل ہمارے ہاں شادی کے اجتماعات میں طرح طرح کے منکرات ہوتے ہیں۔ فائرنگ بھی ہوتی ہے۔ مخلوط اجتماعات بھی ہوتے ہیں، میوزک بھی ہوتا ہے، اور دکھاوا، فضول خرچی وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ "بے برکتی" ہے۔ اس "بے برکتی" کا اثر یہ ہے کہ آج گھر گھر میں ناچاقیاں ہیں۔ تعلقات میں خرابیاں ہیں۔ کہیں میاں بیوی کے جھگڑے ہیں، کہیں ساس بہو کے جھگڑے ہیں اور کہیں نند اور بھابھی کے جھگڑے ہیں۔ اور ان جھگڑوں کے نتیجے میں سارے گھر والوں کی زندگی اجیرن ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ کو ناراض کرنے والے اعمال کئے جائیں گے، سنتوں کو پامال کیا جائے گا تو ان شادیوں سے خوشیاں نہیں ملیں گی، گھروں میں راحت اور سکون نہیں ملے گا۔

بعض خواتین کے اندر بری عادتیں ہوتی ہیں مثلاً بد زبانی، بے کار کے نخرے اور بے ڈھنگا پن۔ یہ بھی شریعت کے خلاف باتیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

عبادت کیا کریں گے اور دن کو روزہ رکھا کریں گے۔ آپ اندازہ کریں کہ جو شخص دن بھر روزہ رکھے اور رات بھر عبادت کرے، اس کی بیوی پر کیا بیتے گی؟ چنانچہ کچھ عرصہ بعد بیوی نے دبے الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت کے بارے میں بتلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر فرمایا کہ دیکھو! "تمہارے اوپر تمہاری جان کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی ہے۔" مطلب یہ کہ اگر تم اس طرح عبادت کرو گے تو بیوی کے حقوق کیسے ادا کرو گے اور اس سے تمہاری صحت بھی خراب ہو جائیگی۔ اس لئے یہ طریقہ ترک کردو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر روزے رکھنا چاہتے ہو تو مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اور اجازت دیجئے۔ فرمایا کہ اچھا دس روزے رکھ لیا کرو۔ یہ مزید کی درخواست کرتے رہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن نہ رکھو۔

(صحیح البخاری، باب حق الجسم في الصوم، رقم الحدیث ۱۸۴۳، و باب فروجک علیک حق، الحدیث: ۴۹۰۳، باب حق الضیف، الحدیث: ۵۶۸۳)

دیکھئے! روزہ کتنی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ احادیث کے اندر اس کے اس قدر فضائل آئے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ آدمی خوب روزے رکھے لیکن جب عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بہت زیادہ روزے رکھنا شروع کئے تو آپ نے اس کی ایک حد مقرر کردی کہ اس سے زیادہ مت رکھو۔

ماں باپ کی خدمت کیلئے بیوی کو حکم نہ دو

آج کل حقوق کی ادائیگی میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ ماں باپ کے حقوق میں لگے تو بیوی بچوں کے حقوق بھول گئے اور بعض لوگ بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی میں لگے تو ماں باپ کے حقوق بھول گئے۔ یہ غلط رویہ ہے۔ بلاشبہ ماں باپ کے حقوق بہت زیادہ ہیں حتیٰ کہ انسانوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

سب سے زیادہ حقوق ماں باپ کے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیوی اور بچوں کے حقوق بھی ختم کر دے۔ بعض لوگ اپنے ماں باپ کی خدمت اپنی بیوی سے کراتے ہیں۔ خود تو کام پر چلے گئے اور بیوی کو خدمت پر لگا دیا۔ یہ کوئی ثواب اور عبادت کی بات نہیں۔ ماں باپ کی خدمت خود کرو، بیوی کو اس کا حکم نہ دو۔ ہاں بیوی اگر اپنی خوشی اور شوق سے کرے تو اس کے لئے بڑی سعادت مندی کی بات ہے کہ شوہر کے ماں باپ بھی اب کے ماں باپ کی طرح ہیں۔ اگر وہ خوشدلی سے ان کی خدمت کرے گی تو اس سے خوشگوار تعلقات پیدا ہوں گے۔

تبلیغ میں ضرور جاؤ لیکن...

میں صاف کہتا ہوں کہ میں تبلیغی جماعت کے کام کو بہت اچھا سمجھتا ہوں اور ہر جگہ کہتا ہوں کہ تبلیغ میں خوب وقت دینا چاہئے۔ لیکن بعض باتیں (ان سب میں نہیں بلکہ بعض میں) ایسی باتیں آ گئی ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں مثلاً یہ کہ بیوی کے پاس کھانے پینے کا سامان ہو یا نہ ہو، بچوں کو دیکھنے والا کوئی ہو یا نہ ہو، صاحب چلے پر جا رہے ہیں۔ پیچھے سے خط آتا ہے کہ چار مہینے بعد آؤں گا اور پھر خط آتا ہے کہ ایک سال بعد آؤں گا۔ یہ کونسی شریعت ہے کہ بیوی بچوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر نکل گئے کہ اللہ کے راستے میں جا رہا ہوں۔ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا بھی تو اللہ کا راستہ ہے۔ شریعت کے مطابق زندگی گزارو۔ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرو، تبلیغ میں ضرور وقت لگاؤ لیکن اس طریقے سے لگاؤ کہ بیوی بچوں کے حقوق پامال نہ ہوں۔

ایک صاحب تبلیغ میں چلے گئے۔ ان کی بیوی سیدزادی شریف خاندان کی لڑکی تھی۔ انہیں اطلاع ملی اس کو کئی وقت کا فاقہ ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے بھی فاقے پر فاقے ہوتے رہتے ہیں اور یہ صاحب چلے پر جاتے رہتے ہیں۔ ہم نے ان صاحب کو بہت سمجھایا اور بہت ڈانٹا ڈپٹا تو پھر ان کی روش میں تبدیلی آئی۔

خواتین بھی مردوں کے ساتھ تعاون کریں

آخر میں میری خواتین سے یہ درخواست ہے کہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر مرد ارادہ بھی کرتے ہیں کہ شادی بیاہ کے اندر بری رسموں سے بچیں تو عورتیں عام طور پر مردوں کو اس میں کامیاب نہیں ہونے دیتیں۔ اگر خواتین اس معاملے میں تعاون کریں گی تو ان غلط رسموں سے ہم اپنے آپ کو آسانی سے بچا سکیں گے۔ الحمدللہ ہمیں برادری کے اندر بھی دیکھ رہے ہیں کہ خواتین مردوں کے ساتھ اس معاملے میں تعاون کر رہی ہیں۔ اللہ کرے کہ ہماری ساری برادریوں کے اندر یہ صورت پیدا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو پیسہ دیا ہے تو یہ کیا ضروری ہے کہ شادی کے اندر اسے برباد کیا جائے نیک کاموں میں خرچ کرے تاکہ خود بھی رسموں کے گناہوں سے بچے اور خاندان کے غریب لوگوں کی پریشانی کا باعث بھی نہ بنے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شادی سے متعلق قرآنی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

ہم کہاں جا رہے ہیں؟

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

مقام: جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

تاریخ: [illegible] ۲۰۰۰ء

ترتیب و ضبط: محمد عبد اللہ میمن

﴿ہم کہاں جارہے ہیں؟﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا. من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد انّ سیدنا و سندنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً.﴾

اما بعد:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿لا تدخلون الجنۃ حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا اَوَلا اَدُلّکم علی شیءٍ اذا فعلتموہ تحاببتم○﴾ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انہ لایدخل الجنۃ الا المؤمنون، الخ رقم الحدیث [illegible])

حدیث کا مفہوم

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

پچھلے کئی جمعوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے متعلق بیان چل رہا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ

"تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ ہو جاؤ اور تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اگر وہ کر لو تو تمہارے درمیان محبت قائم ہو جائے؟ وہ چیز یہ ہے کہ آپس میں سلام کرنے کو رواج دو۔"

آج میں اس حدیث سے متعلق ایک اہم بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اسلامی برادری کی جان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "تم جنت میں نہیں جا سکتے، جب تک مومن نہ ہو اور ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو" یہ ایک بنیادی چیز ہے اور اسلامی برادری کی جان ہے۔ اسلام میں برادری کی بنیاد ایمان ہے۔ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات، آیت نمبر ۱۰)

"بلاشبہ تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

ایمان والے خواہ کوئی بھی زبان بولنے والے ہوں، کسی بھی علاقے کے رہنے والے ہوں، کسی بھی نسل سے ان کا تعلق ہو، کسی بھی تنظیم کے رکن ہوں، وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کلمہ طیبہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

"تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، اگر سر میں درد ہوتا ہے تو پورا

جسم بے چین ہو جاتا ہے۔ آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے، ہاتھ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم، باب تراحم المومنین و تعاطفهم و تعاضدهم، رقم الحدیث ۴۶۸۵)

اگر دنیا کے کسی بھی کونے میں مسلمان کو تکلیف پہنچے، وہ مسلمان خواہ افریقہ کا رہنے والا ہو یا ایشیا کا، یورپ کا باشندہ ہو یا امریکہ کا، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ سارے مسلمان بے چین ہو جائیں۔

عالم کفر مسلمانوں کی مظلومیت پر پریشان نہیں ہے

اس وقت ہم اس بات کا روزانہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ دنیا کے مختلف کونوں میں دشمنانِ اسلام ہمارے بھائیوں کو قتل کر رہے ہیں، عراق میں کیسے کیسے مظالم توڑے جا رہے ہیں، افغانستان پر کیسے مظالم ڈھائے گئے، کشمیر اور فلسطین میں برسوں سے جو کچھ ہو رہا ہے اس کے سامنے چنگیزیت بھی شرما جائے۔ پوری دنیا ان مظالم کو دیکھ رہی ہے اور عالم کفر اس پر ناراض نہیں ہے، وہ بیان دے دیتے ہیں، قرارداد پاس کر دیتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان مظالم کی وجہ سے ان کے کانوں پر جوں تک بھی نہیں رینگتی کیونکہ وہ مطمئن ہیں کہ ہم نہیں مر رہے بلکہ مسلمان مر رہے ہیں۔

اس کی شکایت کس کے پاس لے کر جائیں؟!

دکھ ہوتا ہے تو اہلِ ایمان کو ہوتا ہے اور ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم کو اپنے ان مسلمانوں کی تکلیف اور مظالم کی چبھن اپنے سینے پر دکھائی دے۔ جو حدیث میں نے خطبہ میں پڑھی ہے، اس کا ایک سبق بھی یہی ہے لیکن افسوس صد افسوس اس بات پر کہ ہم خود آپس کے میل جول میں اس سبق کو بالکل بھول چکے ہیں، کراچی میں الیکشن کے دنوں میں جو کچھ ہوا اور پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ ایک بھائی دوسرے

بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ یہ کس کھاتے میں جائے گا؟ اس پر کون روئے گا؟ اس میں ہم الزام کس پر ٹھہرائیں گے۔ ادھر بھی بھائی ادھر بھی بھائی۔ ایک مسلمان خواہ کسی بھی پارٹی کا ہو خواہ کسی پارٹی سے ہو، اتفاق ہو یا اختلاف، لیکن وہ ہے تو ہمارا بھائی۔ وہ اسلامی برادری کا حصہ تو ہے۔ لیکن دکھ یہ ہے کہ یہی اسلامی برادری ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہی ہے۔ اس کی شکایت کس کے پاس لے کر جائیں؟؟

کفار کے بارے میں تو ہم زور شور سے کہتے ہیں اور کہنا بھی چاہئے کہ غیر مسلموں نے مسلمانوں پر یہ ظلم ڈھا دیئے، غیر مسلموں نے مسلمانوں کا قتل عام کر دیا لیکن یہ مقدمہ کونسی عدالت میں لے جائیں کہ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کا گلا کاٹ دیا؟

مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کا نقصان زیادہ ہوتا ہے

ہمارے ایمان نے تو ہمیں اس کی قطعاً اجازت نہیں دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تیئیس ۲۳ سالہ محنت کے نتیجے میں اسلام کی تعلیمات پھیلا چکے، اسلام کو پورے جزیرہ نمائے عرب میں حکمران بنا چکے، امن و امان اور عدل و انصاف پورے جزیرہ نمائے عرب میں قائم ہو چکا تھا، اور اب اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے، وصال سے تقریباً تین ماہ قبل آپ نے حج فرمایا، جسے "حجۃ الوداع" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس خطبے میں ایسی باتیں ارشاد فرمائی تھیں جیسے کوئی باپ رخصت ہوتے وقت اہم اہم باتوں کی وصیت اپنی اولاد کو کرتا ہے۔

اس موقع پر آپ نے ایک نصیحت یہ فرمائی:

﴿لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ﴾ (مسلم۔ کتاب الایمان)

"تم میرے بعد لوٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں

مارنے لگو۔"

آپ نے مسلمانوں کے آپس میں دست و گریبان ہونے سے اس لئے بھی منع فرمایا تھا کہ جب مسلمان آپس میں جنگ و جدال اور لڑائی شروع کر دیتے ہیں تو اس کا نقصان اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

مسلمان کو قتل کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں

اور آپ نے اس سے منع کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ "لا ترجعوا بعدی کفاراً (میرے بعد لوٹ کر کافر نہ ہو جانا) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا ایک مسلمان کا کام نہیں بلکہ یہ کام کافروں کا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا ایمان کبھی بھی اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ کسی مسلمان کی گردن مارے۔ ایک مسلمان دوسرے کے ساتھ کتنا ہی شدید اختلاف رکھتا ہو، سیاسی اختلاف ہو یا تنظیمی اختلاف ہو، رائے کا اختلاف ہو یا کسی شرعی مسئلے میں اختلاف ہو، لیکن جب ادھر بھی مسلمان ہو اور ادھر بھی مسلمان ہو تو شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے مال، جان یا آبرو کو نقصان پہنچائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

﴿إِنَّ دماءَكم و أموالكم و أعراضكم حرامٌ عليكم كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا﴾

کہاں پناہ ملے گی؟

اسلام نے تو ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ ہم کسی دوسرے کے مال، عزت اور جان سے کھیلیں لیکن افسوس کہ ہمارا شہر کراچی برسوں سے خون میں نہا رہا ہے۔ گن پوائنٹ پہ کاریں چھنتی ہیں، گھر لٹتے ہیں، مال بھی لٹ رہے ہیں، عزتیں بھی

لت رہی ہیں، جانیں بھی جا رہی ہیں۔

یوں تو یہ تعصب عرصے سے پھیلا جا رہا ہے، لیکن الیکشن کے موقع پر اس میں اور شدت آ جاتی ہے۔ الیکشن کا کام دراصل میں تو پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ قیادت کے چناؤ کے لئے ہوتا ہے۔ الیکشن لڑنے والے اس بات کے دعویدار ہوتے ہیں کہ ہم قوم اور ملت کی رہنمائی کریں گے، ان کی جان و مال کی حفاظت کریں گے اور ان کے مسائل حل کریں گے۔ اگر اس الیکشن کے اندر بھی ایک دوسرے کی گردنیں ماری جائیں اور جان و مال کو نقصان پہنچایا جائے تو بتائیے کہاں پناہ ملے گی؟

کلمہ پڑھنے والا خواہ کسی تنظیم کا ہو، ہمارا بھائی ہے

کلمہ پڑھنے والا ہمارا بھائی ہے، خواہ کسی بھی تنظیم کا ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اچھا بھائی نہیں۔ لیکن برے بھائی کو بھی گھر سے نکالتے تو نہیں، اس سے بھی تو قطع تعلق کرنے کی اجازت نہیں، اسے بھی تو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ تو جس طرح خونی رشتے والے بھائی کے ساتھ یہ سلوک روا رکھنا جائز نہیں، اسی طرح اسلامی بھائی پر بھی اس طرح کے مظالم ڈھانا جائز نہیں۔

اسلام کے خلاف عالم کفر کا اتحاد

افسوس صد افسوس یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے شہر میں ہو رہا ہے، کسی گاؤں، گوٹھ میں نہیں ہو رہا، ان پڑھ اور جاہل لوگوں کی بستیوں میں نہیں ہو رہا، پڑھے لکھے لوگوں کے علاقوں میں ہو رہا ہے۔ سارا عالم کفر ہمارے مٹانے پر تلا ہوا ہے۔ روس اور امریکہ جن کی کتنے سالوں سے پرانی دشمنی چل رہی تھی، وہ بھی متفق ہو گئے، روس والے امریکہ سے کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ اگر تم مسلمانوں کو مٹاؤ تو ہمیں تم پر کوئی اعتراض نہیں۔ امریکہ والے ان سے کہتے ہیں کہ تم چیچنیا اور بوسنیا پر ظلم ڈھاتے رہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اسی طرح ہندو ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا کوئی دوسری غیر مسلم اقوام، یہ

سب اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ابھرنے والی طاقت "اسلام" ہے۔ جس طرح ممکن ہو اس کا راستہ روکو۔

یہ عہدے یہیں رہ جائیں گے

تو عالم کفر تو تمہیں مٹانے پر تلا ہوا ہے اور تم آپس میں ایک دوسرے سے لڑ کر اپنے آپ کو مٹانے پر تلے ہوئے ہو۔ بتاؤ! پھر امان کہاں ملے گی؟ اور ایسی قوم کہاں رہے گی جس کے دوسرے بھی دشمن اور اپنے بھی دشمن، دوسرے بھی اس کو ماریں اور خود بھی ایک دوسرے کی گردنیں اڑائیں۔

یہ سیٹیں یہیں دھری رہ جائیں گی، یہ عہدے اور کرسیاں یہیں رہ جائیں گی۔ جب یہ ظاہری آنکھ بند ہوگی اور دوسرا عالم سامنے آئے گا تو وہاں نہ یہ سیٹیں ہوں گی اور نہ عہدے و کرسیاں، وہاں ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا، وہاں یہ پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس کام کیلئے دنیا میں بھیجا تھا اور تم نے وہاں کیا کام کیا؟ وہاں تو ایک ایک لمحے کا، ایک ایک چیز کا، ایک ایک حرکت اور ایک ایک سکون کا حساب ہوگا۔

ان جرائم کا بنیادی سبب

آدمی یہ سارے دھندے اس وقت کرتا ہے جب وہ قبر کو بھول جاتا ہے۔ جب آخرت اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے تو وہ قتل و غارت بھی کرتا ہے، لڑائیاں بھی کرتا ہے، گولیاں بھی دیتا ہے اور دشمنیاں بھی کرتا ہے۔ لیکن وہ شخص جسے اپنی قبر یاد ہو، وہ ان دھندوں میں لگنے کے بجائے اپنی آخرت بنانے کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جس سے میری قبر برباد ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

﴿حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ﴾ (كشف الخفاء، ج ۱ ص ۴۱۲ رقم الحديث: ۱۰۹۹)

"دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔"

جب آدمی کے دل میں دنیا کی محبت سما جاتی ہے۔ مال و دولت، عہدہ اور شہرت اس کا مطمع نظر بن جائے تو پھر وہ ہر قسم کے گناہ کرتا ہے۔ قتل و غارت گری بھی کرتا ہے۔ ظلم بھی ڈھاتا ہے۔ چوری اور ڈکیتی بھی کرتا ہے غرضیکہ سب کچھ کرتا ہے۔ انبیاء کرام یہی بتلانے کے لئے آتے تھے کہ اگر تم نے اپنی قبر کو بھلا دیا اور موت سے غافل ہو گئے تو تمہاری یہ زندگی بھی جہنم بن جائے گی۔ اگر تم اس زندگی کو پرامن رکھنا چاہتے ہو اور اسے خوشیوں کا گہوارہ بنانا چاہتے ہو تو اپنی قبر کو یاد رکھو، ورنہ ایک دوسرے کی گردنیں مارو گے، بھیڑیئے اور درندے بن کر جنگل کا قانون رائج کرو گے''۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا قانون رائج ہو گا۔

آج پورا شہر سوگوار ہے، سارے کام معطل پڑے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صرف ایک مسلمان کے قتل سے اگر اتنی سوگواری بلکہ اس سے بھی زیادہ سوگواری ہو تو بھی بجا ہے، اس لئے کہ مسلمان کے خون کی عظمت ایسی ہے جیسے بیت اللہ کی۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَاباً عَظِيماً﴾

"اور جس شخص نے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کیا، اس کا بدلہ جہنم ہے وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہیں اور اس پر اللہ نے لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

یہ قرآن کا فرمان ہے، کوئی مولوی اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، یہ کیسی خطرناک وعید ہے۔

جتنے بھی مسلمان مارے گئے، وہ ہمارا ہی نقصان ہے۔ کسی یہودی، ہندو یا

عیسائی کا نہیں ہوا۔ ہماری پونجی لٹ ہے۔ ایک ایک مسلمان ہماری طاقت ہے، اس واسطے سے ہماری ہی طاقت کمزور ہوتی ہے۔ اس پر ہم جتنا بھی غور کریں، بجا ہے۔ اور یہ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم آئندہ کے لئے اس بارے میں کوئی لائحہ عمل تیار کریں۔

اس قوم کو آزاد رہنے کا حق باقی نہیں رہتا

ہماری دشمن قومیں جو ہم پر یلغار کر رہی ہیں، وہ کبھی آپس میں اس طرح نہیں لڑتیں۔ وہ دوسروں کو مارنے میں تو چنگیز خان اور ہلاکو خان سے بھی آگے ہیں، لیکن آپس میں متحد ہیں۔ امریکہ اور کینیڈا کی سرحد تقریباً پانچ ہزار میل تک ملی ہوئی ہے۔ اس پوری سرحد پر دونوں ملکوں کا کوئی ایک فوجی بھی نہیں ہے۔ انہوں نے آپس میں معاہدہ کر رکھا ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، آپس میں لڑیں گے نہیں، کیونکہ ہمیں لڑنا تو دوسروں سے ہے۔ آپس میں لڑ کر ہمیں اپنی طاقت ختم نہیں کرنی، نتیجہ یہ ہے کہ وہاں سات سمندر پار بیٹھ کر پوری دنیا پر حکومت کر رہے ہیں اور ہم، ہمارے پاس مادی اسباب ان سے زیادہ ہیں، قدرتی وسائل اتنے ہیں کہ کسی اور قوم کے پاس نہیں لیکن اس سب کے باوجود ان کے محکوم ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کسی بھی قسم کا لالچ سامنے ہو، دوسرے کی گردن مارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ پیسے کا لالچ ہو یا عہدے کا ہمیں مسلمان کی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ جس قوم کی خود غرضی اس حد تک پہنچ جائے، اس قوم کو آزاد رہنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ تاریخ کا بے رحم ہاتھ ایسی قوموں سے اقتدار چھین لیا کرتا ہے۔

مسلمانوں کو حکومت کب ملے گی؟

دنیا دارالاسباب ہے، دارالجزاء نہیں۔ حکمرانوں والی صفات پیدا کرو گے تو حکمرانی ملے گی، غلاموں کی صفات اپناؤ گے تو غلامی ملے گی۔ صرف ایمان لانے اور نماز پڑھنے سے غلامی نہیں جائے گی۔ اس کے لئے وہ اعمال کرنے پڑیں گے جو غلامی کو

منانے والے ہیں۔ قرآن مجید نے کہیں بھی مطلق یہ وعدہ نہیں کیا کہ صرف ایمان لانے پر حکمرانی مل جائے گی۔ کسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعدہ نہیں فرمایا کہ اگر مسلمان ایمان پر قائم رہے اور نماز روزہ کی پابندی کرتے رہے تو انہیں حکمرانی مل جائے گی۔ بلکہ قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا کہ

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾

"اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک اعمال کیے کہ وہ ضرور ان کو خلیفہ بنائے گا زمین میں جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔"

"عملوا الصالحات" میں جس طرح نماز، روزہ، حج اور زکوۃ شامل ہے۔ اسی طرح سچ بولنا، سچی گواہی دینا، حسن معاشرت، اخوت، مال حرام سے بچنا، دوسرے کی بددعا سے بچنا، دوسرے کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرنا وغیرہ بھی شامل ہے۔ ان سب کا مجموعہ اعمال صالحہ ہے۔ جب تمام اعمال صالحہ بجا لائے جائیں گے تو زمین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو خلافت عطا کی جائے گی۔

ہمارے حصے میں غلامی کیوں آئی؟

آج بہت سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ہم اقتدار سے محروم ہیں، حالانکہ ایمان بھی لائے ہوئے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دیگر عبادات بھی بجا لاتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہی ہے کہ ہم نے تمام اعمال صالحہ کو اختیار نہیں کیا جس کی بنیاد پر خلافت ملا کرتی ہے۔ ہم نے وہ صفت اختیار نہیں کیں جو اقتدار دینے کے لئے شرط تھیں۔

اتفاق کی بات یہ ہے کہ یورپ نے ہماری بہت سی اچھائیوں کو لیا اور یہ

ساری اچھائیاں وہ تھیں، جو دنیا بنانے والی تھیں۔ اب ہمارے پاس جو اچھائیاں باقی ہیں جیسے نماز، روزہ، ان سے جنت تو مل جائے گی لیکن اس پر اقتدار کا وعدہ نہیں، لیکن دنیا بنانے والی اچھائیاں ہمارے اندر موجود نہیں۔ ہماری یہ اچھائیاں انہوں نے لے لیں اور ان کی برائیاں ہم نے لے لیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے حصے میں غلامی آگئی اور ان کے حصے میں حکومت آگئی۔

یہ کافر قومیں آپس میں اس طرح گردنیں مار کر اپنی طاقت برباد نہیں کر رہیں، جس طرح ہم اپنی طاقت برباد کر رہے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ جتنے مسلمان کشمیر میں مرتے ہیں، اتنے کراچی میں بھی مر جاتے ہیں، جتنے فلسطین میں مرتے ہیں، اتنے پاکستان میں بھی مر جاتے ہیں۔ فرق کیا رہا کافر میں اور مسلمان میں؟ کس کس کا رونا روئیں؟!

محبت پیدا کرنے کے طریقے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیں محبت کا درس دیتے ہوئے یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے، جب تک تمہارے اندر ایمان نہ ہو اور تمہارا ایمان پورا نہیں ہوگا جب تک تمہاری آپس میں محبت نہ ہو۔ اور پھر محبت قائم کرنے کے طریقے بتلا رہے ہیں۔

ایک طریقہ یہ بتلایا کہ آپس میں سلام کیا کرو۔ ہم نے اس طریقے کو ترک کر رکھا ہے۔

اور دوسرا طریقہ یہ بتلایا کہ جب نماز کیلئے کھڑے ہو تو تمہاری صفیں بالکل سیدھی ہونی چاہئیں اور فاصلے نہیں ہونے چاہئیں ورنہ تمہارے دلوں میں فرق آجائیں گے۔

آج ہمارے ہاں عام طور پر صفوں کے برابر کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کی پابندی نہیں کی جاتی۔

غرضیکہ آج جب ہم ان اعمال کی پابندی نہیں کر رہے جن کی وجہ سے آپس

میں محبت پیدا ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں دشمنیاں پھیل رہی ہیں۔

دشمنی کے اسباب اختیار کئے جارہے ہیں

پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دشمنی کے اسباب اختیار کئے جارہے ہیں۔ غیبت کرنے سے دشمنی پیدا ہوتی ہے، چغلی سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ گالی دینے اور بہتان لگانے سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے یہاں ہو رہا ہے۔

اس وقت ہم کیا کریں؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، سوائے اس کے کہ اللہ رب العالمین کے سامنے آہ وزاری سے دعا کریں کہ یا اللہ! ہمیں اس حماقت سے نکال دے۔ ہمارے اندر محبتیں پیدا فرما دے۔ ہمارے سیاسی اختلافات دشمنیوں کی حد تک نہ آئیں۔

کب عقل آئے گی؟

اگر اب بھی ہمیں عقل نہ آئی تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کب آئے گی۔ کیا اس وقت عقل آئے گی جب ہم رہی سہی آزادی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور دشمن ہمارے اوپر پوری طرح قابض ہو جائیں۔ اللہ پناہ میں رکھے اس وقت سے کہ جب یہاں دشمن کا دور دورہ ہو اور دشمن کی حکومت ہو۔ جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ جس قوم کی یہ حالت ہوا کرتی ہے، وہ غلامی کی طرف جایا کرتی ہے۔ یہ آثار اقتدار کی طرف جانے والے نہیں، غلامی کی طرف جانے والے ہیں، کچھ معلوم نہیں کہ اگر ہماری یہی حالت رہی تو کب ہم سے ہماری یہ آزادی چھن جائے۔ اللہ ہمیں وہ غم نہ دکھائے کہ ہم وہ المناک وقت دیکھیں، اس وقت سے پہلے ہمیں اٹھا لے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔
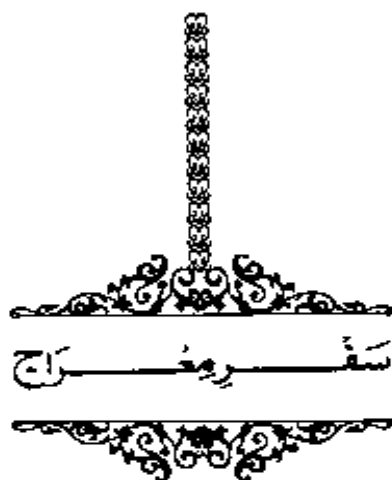
سَفَرِ مِعْرَاج

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

مقام: مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی

تاریخ: ۲۷ دسمبر ۱۹۹۰ء

تحریر و تخریج: اعجاز احمد صمدانی

﴿سفرِ معراج﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿نحمدهٗ و نصلّی علی رسوله الکریم﴾

اما بعد:

﴿قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ﴾ (الفردوس بمأثور الخطاب ج ۱ ص ۱۸۵، رقم الحدیث ۲۹۸، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۶۹، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۶۵ باب الصلوٰۃ، مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۹ فی مسند انس، شعب الایمان للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۵، رقم الحدیث ۳۸۱۵)

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

رجب کا مہینہ برکتوں والا ہے:

رجب کا مہینہ چل رہا ہے اور یہ مہینہ وہ ہے کہ جب یہ شروع ہوتا تھا تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت سے رمضان المبارک کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ

رمضان المبارک کی اور پانچویں روایت شوال المکرم کی ہے۔ اسی طرح تاریخ بھی یقینی طور پر متعین نہیں کہ کونسی تاریخ کو یہ واقعہ پیش آیا البتہ تمام روایتوں کو دیکھنے کے بعد جو بات نسبتاً راجح معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ۲۷ رجب کو یہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ (ملاحظہ فرمائیے فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۳)

واقعہ معراج کی کوئی نظیر نہیں

بہرحال شب معراج کا واقعہ پوری انسانی تاریخ کا عجیب ترین واقعہ ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا کیا ہو کہ راتوں رات ساتوں آسمانوں اور اس سے اوپر کی سیر کرا کے پھر واپس بھی لے آئے۔ اور یہ ایسا واقعہ ہے کہ انسان محض اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا کر اس کی حقیقت نہیں سمجھ سکتا۔ چنانچہ جب مشرکین مکہ کے سامنے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ واقعہ بیان فرمایا تو وہ حیرت سے کہنے لگے کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جائے پھر اوپر کی بلندی کی طرف سفر شروع کرے۔ اس میں پہلا، دوسرا، تیسرا حتیٰ کہ ساتواں آسمان اور اس سے آگے تک کا سفر کر کے پھر وہاں جا کر نجانے کیا کیا مناظر دیکھے، پھر اسی رات میں واپس بھی آجائے۔ یہ سوچ کر بڑی خوشی خوشی بعض مشرکین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ان کا خیال تھا کہ جب صدیق اکبرؓ کے سامنے یہ واقعہ بیان کریں گے تو فوراً جھٹلا دیں گے چنانچہ جب آپ کی خدمت میں پہنچے اور سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا کہ تم جس کو نبی مانتے ہو، وہ ایسی باتیں کرتا ہے، بھلا تم ہی بتاؤ، کیا یہ بات عقل میں آنے والی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے پوچھا کہ کیا واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی کہتے ہیں؟ انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات فرماتے ہیں تو پھر یقیناً یقیناً یہ بات بالکل سچی ہے۔ اس میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں۔ اسی تصدیق کے واقعے سے آپ کو "صدیق" کا لقب ملا۔

معراج کی رات دیدار الٰہی ہوا یا نہیں؟

کیا معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا یا نہیں؟ اس بارے میں بعض صحابہ کرام جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شامل ہیں، کی رائے یہ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوا، اس کے برعکس بعض دوسرے صحابہ جن میں حضرت ابن عباسؓ بطور خاص شامل ہیں، کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا ہے۔ اگر دوسرے قول کو اختیار کیا جائے تو یہ بھی انسانی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ کسی انسان کو دنیا میں اللہ رب العالمین کا دیدار ہوا۔ (البتہ آخرت میں تمام جنتیوں کو یہ دیدار نصیب ہوگا)۔ یہ ایسا شرف ہے کہ اس سے بڑے بڑے فرشتے بھی محروم رہا۔

آپ کتنی بلندی پر پہنچے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں کتنی بلندی تک پہنچے، اس کا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے اس لئے کہ جتنا فاصلہ یہاں سے پہلے آسمان تک کا ہے، اتنا ہی دوسرے آسمان سے تیسرے کا، تیسرے سے چوتھے کا، چوتھے سے پانچویں کا، پانچویں سے چھٹے اور چھٹے سے ساتویں آسمان کا درمیانی فاصلہ ہے۔ آج کی جدید ٹیکنالوجی ابھی تک اس زمین و آسمان کا درمیانی فاصلہ معلوم نہیں کرسکی۔ مختلف سیاروں کا درمیانی فاصلے معلوم ہوا ہے۔ زمین سے سورج تک کا فاصلہ بھی ناپا گیا ہے جو تقریباً ۹ کروڑ میل ہے اور وہاں سے زمین تک روشنی تقریباً ۸ منٹ میں پہنچتی ہے[1] اور بعض سیاروں کے درمیان اتنے فاصلے ہیں کہ میلوں کے حساب سے گنتی ختم ہوجاتی ہے تو اس کے لئے فلکیات کے ماہرین نے ایک نئی اصطلاح ایجاد کی جس کا نام ہے "نوری سال"۔ نوری سال کا مطلب ہے وہ مسافت جس کو روشنی ایک سال مسلسل سفر کرکے طے کرتی ہے۔ اندازہ کیجئے کہ سورج جو ہم سے کروڑوں میل کے فاصلے پر ہے، اس کی روشنی ہم تک پہنچنے میں صرف

---

[1] کیونکہ روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے سفر کرتی ہے۔

آٹھ منٹ لگاتی ہے، بعض ان سے دور ہیں جن تک روشنی دنوں میں پہنچتی ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ وہاں مہینوں سفر کے بعد روشنی وہاں پہنچ سکتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض سیارے اتنے دور ہیں کہ وہاں تک اگر روشنی بھیجی جائے تو اسے پہنچنے میں سالوں سال لگ جاتے ہیں۔ بعض سیارے ایسے ہیں کہ ان کے آپس کے فاصلے کئی کئی سو بلکہ کئی کئی ہزار نوری سالوں کے برابر ہیں اور یہ سب کچھ دنیا کے آسمان کے نیچے نیچے ہے تو پہلے آسمان تک کا فاصلہ کتنا ہوگا! اور ہر آسمان کا فاصلہ نچلے آسمان سے اتنا ہی ہے جتنا پہلے آسمان کا زمین سے تو خود اندازہ لگالیجیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواز کس قدر بلند ہوگی۔

سفر معراج کس قدر تیز رفتار تھا؟

اور پھر یہ کس قدر تیز رفتاری سے ہوا ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کی جدید سائنس بھی اس تیز رفتاری کا صحیح اندازہ نہیں کرسکی۔ حدیث میں آتا ہے جس سواری پر آپ کو لے جایا گیا، وہ تقریباً خچر کے برابر جنت کا ایک جانور ہے، جس کا نام "براق" ہے۔ اس کی رفتار کا عالم یہ تھا کہ جہاں اس کی نظر پڑتی تھی، وہاں اس کا قدم پڑتا تھا۔ گویا نظر کی جو رفتار ہے، وہ رفتار اس کے جسم کی تھی۔ اگر اس براق کی نظر کی رفتار روشنی کی رفتار کے برابر ہوتی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے جانے میں ہزاروں نوری سال لگ جاتے۔ معلوم ہوا کہ براق کی رفتار روشنی کی رفتار سے زیادہ تھی۔ آج کی سائنس بھی اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ رفتار کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ اور آپ کی اس قدر تیز رفتار تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھی۔

وہاں بھی امت کو یاد رکھا

یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس اونچے مقام پر پہنچنے کے بعد بھی جب اللہ رب العالمین سے ہمکلامی ہوئی تو وہاں بھی امت کو یاد رکھا چنانچہ جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کیا۔

﴿التحیات للہ والصلوات والطیبات﴾

"میری تمام قولی، بدنی اور مالی عبادت اللہ کے لئے ہیں"۔

اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ﴾

"اے نبی! تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں"

جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا اور فرمایا:

﴿السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین﴾

"ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر ہو"۔

گویا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنا بڑا اعزاز ملا تو امت کے نیکو کاروں کو بھی شامل فرمایا۔

معراج کا تحفہ

اس معراج میں آپ پانچ نمازوں کا تحفہ لائے۔ یہ نمازیں ہر مومن کی معراج ہیں۔ آپ کے اس واقعہ معراج کی برکت سے ہر مسلمان کو دن میں پانچ مرتبہ اللہ کے قریب ہونے کا موقع ملا۔ حدیث میں آتا ہے کہ انسان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب اس وقت ہوتا ہے جب سجدہ میں ہوتا ہے۔ (مسند ابی عوانۃ ج ۲ ص ۱۸۰) اس میں وہی معراج کی باتیں یعنی تشہد کے اندر دہراتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کے مطابق انہیں معراج نصیب ہوئی لیکن ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں فرمایا بلکہ نماز کے ذریعے اپنے سے ہمکلام ہونے کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی قدر کرنے کی توفیق دے (آمین)

آج کل سربراہ مملکت سے ملاقات کرنا تو بڑی بات ہے، کسی وزیر یا گورنر سے

ملاقات کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو قیامت آ جاتی ہے۔ مہینوں چکر لگانے اور جوتے چٹخانے کے بعد ایک دو منٹ ملاقات کے لئے مل جائیں تو آدمی اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہے لیکن ادھر بادشاہوں کا بادشاہ، جہانوں کا مالک اور رب الارباب نے ہمارے لئے اپنے دروازے چوپٹ کھول دیئے بلکہ پابندی لگادی کہ دن میں پانچ مرتبہ ضرور آؤ اور اس کے علاوہ ہر وقت آنے کی اجازت ہے اور پھر جتنی چاہے لمبی بات کرو (تلاوت کرو، نماز میں قرآن پڑھو) اس کی اجازت ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ:

﴿الصلوٰۃ معراج المؤمنین﴾ (شرح سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۱۳، باب الأمل و الأجل طبع)

ترجمہ: نماز مومنین کی معراج ہے۔

رجب کی کسی رات یا دن میں عبادت کرنے کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں

یہاں ایک بات یاد رکھیں۔ وہ یہ کہ کوئی بھی عبادت ''قیاس'' اور اپنی رائے کے ذریعے ثابت نہیں کی جاسکتی۔ جس کو قرآن یا حدیث نے عبادت قرار نہیں دیا، وہ عبادت نہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی عبادت میں اضافہ کرتا ہے یا کوئی نئی عبادت متعارف کرتا ہے تو گویا وہ اپنے عمل سے یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ دین پہلے مکمل نہیں تھا، وہ اب اسے مکمل کر رہا ہے۔ رجب کے مہینے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یقینی طور پر یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی میں معراج ہوئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس مہینے کی کوئی خاص فضیلت الگ طور پر نہیں آئی۔ کسی سند صحیح کے ساتھ یہ ثابت نہیں کہ ۲۷ویں شب کو جاگنے اور ۲۷ رجب کا روزہ رکھنے کی کوئی فضیلت ہے۔ رات کو عبادت کرنے کے معاملے میں دوسری راتوں کی طرح یہ بھی ایک رات ہے اور دن کو روزہ رکھنے کے معاملے میں دوسرے دنوں کی طرح یہ بھی ایک دن ہے۔ یعنی جو حکم باقی راتوں اور دنوں کا ہے، وہی حکم اس رات اور دن کا بھی ہے۔ اگر کوئی شخص اس رات کو جاگ کر عبادت کرے یا دن کو روزہ رکھے تو

بہت اچھی بات ہے۔ لیکن یوں سمجھنا کہ اس رات میں عبادت کرنے کا یا دن کو روزے رکھنے کا کوئی خاص ثواب ہے، ہرگز درست نہیں کیونکہ یہ دین میں اضافہ ہے۔

کونڈے کی رسم کا دین سے کوئی تعلق نہیں

اس مہینے میں ایک خاص رسم اور ہے جسے "کونڈے" کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں مختلف طرح کی کھانے کی چیزیں پکا کر تقسیم کی جاتی ہیں۔ یہ خود ساختہ باتیں اور کھانے پینے کے دھندے ہیں۔ اگر اس دن کچھ کھانا چاہتے ہو تو اس میں کوئی ممانعت نہیں لیکن اس کو اللہ تعالیٰ یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کرو کہ انہوں نے اس دن کے کھانے پینے میں کوئی خاص فضیلت بیان کی۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے لگائے بغیر جو حلال چیز کھانا چاہو، کھالو۔ لیکن خوب سمجھ لو کہ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ مستقیم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر صحیح صحیح عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور پکی محبت نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین۔

اِختلاف رحمت اِفتراق زحمت
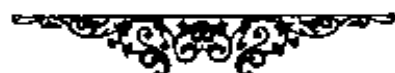
﴿اختلاف رحمت، افتراق زحمت﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم﴾

اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

﴿وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا﴾

﴿وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ﴾

(آل عمران: ۱۰۲ تا ۱۰۳)

تمہیدی کلمات

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

میں سب سے پہلے برادر عزیز جناب مجیب صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے یہ موقع فراہم کیا اور آپ حضرات کا ممنون ہوں کہ یہاں میں آپ حضرات سے اپنی معروضات پیش کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اس محبت کی جزائے خیر دے۔ (آمین)۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات عرض کر دوں کہ آپ حضرات کو شاید تعجب ہو رہا ہے کہ میں نے احرام کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں لیکن ساتھ ساتھ میرے سر پر ٹوپی اور پاؤں میں موزے بھی ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں نے ابھی تک اپنا احرام شروع نہیں کیا۔ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ احرام ان کپڑوں سے شروع نہیں ہوتا بلکہ جب تلبیہ نیت کے ساتھ پڑھ لیا جائے، اس وقت سے احرام شروع ہوتا ہے تو جب یہاں سے روانگی کا وقت ہوگا ان شاء اللہ، میں احرام اس وقت شروع کروں گا۔

آیات خطبہ کا ترجمہ

محترم مجیب صاحب نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ اگرچہ یہ اجتماع بہت مختصر ہوگا لیکن اس میں مختلف تنظیموں اور مسالک سے تعلق رکھنے والے احباب موجود ہوں گے تو کوئی ایسی بات ہونی چاہئے جو ہم سب کے کام کی ہو۔ اسی وجہ سے میں نے قرآن مجید کی ان آیات کا انتخاب کیا جو آپ کے سامنے میں نے پڑھیں۔

> ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور تم مضبوطی سے پکڑے رکھو اللہ کی رسی کو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو کہ جب تم آپس میں

ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم ہو گئے اس کے فضل سے بھائی بھائی۔"

یہودی سازشوں کے مقابلے کا طریقہ

"اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم" کے اندر اشارہ ہے اوس و خزرج کے اختلافات کی طرف۔ یہ دونوں مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلے تھے۔ برسہا برس سے ان کے درمیان قتل و غارت گری کا سلسلہ جاری تھا، اور یہودی جو مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں مقیم تھے، وہ ان دشمنیوں کو ہوا دیتے تھے اور ان اختلافات اور لڑائی جھگڑوں سے ہی ان کی چاندی ہوتی تھی کیونکہ اس سے ان کا اسلحہ فروخت ہوتا تھا جس سے وہ خوب مال کماتے تھے۔

یہودی لڑائیوں کو ہوا دینے کے لئے کیا کیا سازشیں کرتے تھے، وہ ایک طویل داستان ہے اور وہ داستان تقریباً ایسی ہی ہے جیسی آج کل مسلمانوں کو لڑانے کے لئے دہرائی جا رہی ہے۔ ان آیات کریمہ کے اندر ان سازشوں کا مقابلہ کرنے کا ایک طریقہ بتلایا گیا ہے۔ اور وہ ہے تقویٰ کا اختیار کرنا، اور آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہنا۔

چنانچہ سب سے پہلے یہ حکم دیا گیا کہ "یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ" تقویٰ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے بچاؤ، چھوٹے گناہوں سے بھی بچو اور بڑے گناہوں سے بھی، کھلے ہوئے گناہوں سے بھی بچاؤ اور چھپے ہوئے گناہوں سے بھی، حقوق اللہ سے متعلق گناہوں سے بھی بچو اور حقوق العباد سے متعلق گناہوں سے بھی۔

قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب

قرآن مجید کا ایک اسلوب ہے کہ جب وہ کوئی حکم دیتا ہے اور اس میں بظاہر بندوں کے لئے طریقہ بھی بتلاتا ہے۔ چنانچہ یہاں "تقویٰ" کا حکم دیا گیا "جو اتنا آسان

کام نہیں، گناہ، زبان، کان، دل، ہاتھ اور پاؤں کو ہر قسم کے گناہوں سے بچانا ایک مشکل کام ہے۔ اس مشکل کو آسان کرنے کا ایک طریقہ سورۃ توبہ میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

"الصادقین" سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو زبان کے بھی سچے ہیں اور دل کے بھی عقیدے کے بھی سچے ہیں اور عمل کے بھی تقویٰ والے۔

گویہ بتلا دیا کہ جب اللہ والوں کے ساتھ رہو گے تو تقویٰ حاصل کرنا آسان ہو جائے گا اور ہمارا تجربہ بھی یہی ہے کہ اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے مثلاً اگر ہم سفر میں جائیں، دس پندرہ آدمی ہوں اگر سارے کے سارے نمازی ہیں، گناہوں سے بچنے والے ہیں، متقی اور پرہیزگار ہیں تو گناہوں سے بچنا کچھ مشکل نہیں ہوتا بلکہ گناہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر فاسق فاجر لوگوں کے ساتھ ہمارا سفر ہو رہا ہو کہ جنہیں نہ نماز کی پرواہ ہے، نہ حلال و حرام کی اور نہ پاکی و ناپاکی کی تو وہاں وضو کرنا مشکل، نماز پڑھنا مشکل اور گناہوں سے بچنا بھی مشکل۔

قرآن معیارِ حق ہے

اور یہاں پہ تقویٰ پر عمل کرنے کا ایک اور آسان راستہ بتایا۔ وہ یہ کہ "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو" یعنی یہ بتلایا کہ اگر قرآن کو مضبوطی سے تھامو گے تو تقویٰ میں مدد ملے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن معیارِ حق ہے اور پھر قرآن نے جس چیز کو معیارِ حق بنایا ہے، وہ معیارِ حق ہے۔ قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معیارِ حق بنایا ہے۔ صحابہ کرام کو معیارِ حق بنایا ہے، اللہ والوں کو معیارِ حق بنایا ہے۔

گویہ پہلی بات یہ ہوگئی کہ قرآن مجید کو اپنا رہبر و رہنما بنایا جائے لیکن قرآن مجید

نبی کو رہبر بنا کر ہم پوری طرح اس سے استفادہ نہیں کر سکتے کیونکہ انسان کا معلم کتاب نہیں ہوتی، بلکہ انسان ہوتا ہے۔ دنیا کا کوئی علم وفن صرف کتاب کے مطالعے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ رب العزت نے ہر کتاب اور صحیفے کے ساتھ ایک نبی بھیجا۔ جسے اس کتاب یا صحیفے کا معلم بنایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے قرآن مجید بھیجا گیا اور آپ کو معلم قرآن کا خطاب دیا گیا "ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" آپ کے فرائض منصبی میں یہ بات شامل کی گئی کہ آپ قرآن مجید کے الفاظ بھی سکھائیں اور معانی بھی سکھائیں۔

کوئی کتاب کسی معلم کے بغیر نہیں آئی، البتہ ایسا ضرور ہوا ہے کہ نبی آیا ہے، کتاب نہیں آئی۔ معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے معلم کا ہونا ناگزیر ہے۔ وہ معلم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پھر ان کے شاگرد جنہوں نے ان سے یہ کتاب سیکھی یعنی صحابہ کرام پھر ان کے شاگرد، پھر ان کے شاگرد... الخ الحمد للہ، یہ سلسلہ آج تک تواتر کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔

اختلاف حدود کے اندر ہو تو مذموم نہیں

آگے حکم ہے کہ "تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو"۔ یہاں خاص طور پر اس اعتبار سے توجہ کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید نے اس جگہ "ولا تفرقوا" کا لفظ استعمال کیا ہے، "ولا تختلفوا" کا لفظ استعمال نہیں کیا کیونکہ اختلاف یعنی اختلاف رائے اگر قرآن وسنت کی بنیاد پر ہو، اخلاص اور للہیت کے ساتھ ہو، اپنی بڑائی جتانے اور دوسروں کو ذلیل کرنے کی نیت سے نہ ہو اور ایسے مسائل میں اختلاف ہو جن میں واقعی اختلاف رائے ہو سکتا ہے (جنہیں اصطلاح میں "مجتہد فیہ" مسائل کہا جاتا ہے) تو وہ اختلاف کوئی مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے درمیان بھی یہ اختلاف رائے رہا اور یہ اختلاف بھی

ان معاملات میں ہوا جن کے بارے میں قرآن و حدیث کا کوئی واضح حکم نہیں تھا۔

اختلاف رائے کے نتیجے میں ایک جماعت نے ایک رائے پر عمل کیا اور دوسری نے دوسری رائے پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے کسی پر نکیر نہیں فرمائی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ غزوہ احزاب سے فارغ ہونے کے بعد جبرئیل امین علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے زرہیں اتار دیں، ہم نے تو ابھی تک نہیں اتاریں۔ آپ کو اسی لمحے بنو قریظہ پر چڑھائی کرنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیا اور فرمایا:

﴿لا يصلين أحدكم إلا في بني قريظة﴾

"تم میں سے کوئی آدمی (عصر کی) نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں"۔

صحابہ کرام روانہ ہو گئے لیکن راستے میں عصر کی نماز کا وقت تنگ ہو گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ اگر عصر کی نماز بنو قریظہ پڑھیں تو نماز قضا ہو جائے گی یا اس کا وقت مکروہ ہو جائیگا اور اگر یہاں پڑھیں تو بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہوگی۔ اب صحابہ کرام کی دو آراء ہو گئیں۔ کچھ صحابہ کرام کا کہنا یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ ہمیں جلدی بنو قریظہ پہنچنا چاہئے یہاں تک کہ عصر وہیں پڑھیں گویا نماز کو قضا کرنا مقصود نہیں، بلکہ جلدی پہنچنا مقصود ہے لیکن چونکہ اب عصر کے وقت کے اندر اندر وہاں پہنچنا مشکل ہے، اس لئے ہمیں نماز یہیں پڑھ لینی چاہئے۔

دوسرے صحابہ کرام کی رائے تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ تھا کہ عصر بنو قریظہ میں پڑھنی ہے تو قضا ہو یا ادا، ہر حال میں نماز وہیں پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ کچھ صحابہ کرام نے راستے میں نماز پڑھ لی اور کچھ نے وہاں پہنچ کر نماز ادا کی۔ بعد میں یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے کسی فریق پر نکیر نہیں فرمائی۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر قرآن و سنت کے کسی ارشاد میں دو معنوں کا

احتمال ہو اور ان میں سے کسی احتمال کو اہل علم اجتہاد کر کے اختیار کرلیں اور بعض دوسرے اہل علم دوسرے علم کو اختیار کرلیں تو ان میں سے کوئی جہت منکر نہیں ہوتی۔ اور اس پر کوئی نکیر بھی جائز نہیں۔ اختلاف فقہاء کی حقیقت بھی یہی ہے۔

بلاشبہ اسلام ایک ہے لیکن.....

آج اختلاف فقہاء کو بہت اچھالا جاتا ہے کہ اسلام تو ایک ہے پھر یہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہونے کا کیا مطلب؟ بلاشبہ اسلام ایک ہے، اللہ ایک ہے، قرآن ایک ہے، قبلہ ایک ہے، نبی ایک ہے، لیکن اسی ایک دین کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ لچک رکھی ہے کہ کچھ احکامات کے اندر مختلف امکانات اور احتمالات رکھے تاکہ ہر زمانے کے فقہاء اور مجتہدین قرآن وسنت کے دلائل پر غور کر کے مسائل کا استنباط کرسکیں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مجتہدین کی آراء کے درمیان اختلاف ہونا ایک ظاہری بات ہے لیکن یہ اختلاف کرنے کا حق انہی کو ہے جن کے اندر اجتہاد کی صلاحیت موجود ہے، قرآن وسنت کے ماہر ہوں، ایک مضمون سے متعلق تمام احادیث ان کے علم میں ہوں۔

اختلاف رحمت کیسے بنتا ہے؟

ایسے لوگ جب کسی مسئلے میں اختلاف رائے کرتے ہیں تو یہ اختلاف رائے امت کے لئے رحمت بن جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مسئلے سے متعلق دو مختلف اقوال ہیں۔ اور دونوں اقوال دلائل پر مبنی ہیں لیکن قطعی دلائل کسی فقیہ کے پاس بھی نہیں۔ اب کوئی شخص مجبور کن حالات کا شکار ہوگیا تو اس زمانے کے مفتی کے لئے یہ گنجائش ہوتی ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے قول پر فتویٰ دے دے۔ اس کے برعکس کسی دوسرے ملک میں اس کے برعکس قول پر فتویٰ دینے کی شدید ضرورت پیش آئی تو وہاں کے مفتی کے لئے اس کی گنجائش ہے کہ وہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر اس مخالف قول پر فتویٰ دے دے۔ گویا ایک ملک میں ایک قول پر فتویٰ دیا گیا اور دوسرے ملک میں اس کے

کسی ایک قول کو اختیار نہیں کیا، اس طرح شریعت کے اندر لچک پیدا ہوئی اور امت کے لئے رحمت بنی۔ اسی کو فرمایا کہ:

﴿اختلاف امتی رحمة﴾

(کنز العمال، ج ۱۰، ص ۱۳۶، رقم الحدیث ۲۸۶۸۶)

اختلاف کے باوجود تعظیم وتکریم

لیکن یہ اختلاف ہے "تفرق" نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی اختلاف ہوا ہے "تفرق" نہیں ہوا۔ فقہاء کرام کے درمیان بھی اختلاف ہوا ہے "تفرق" نہیں ہوا۔ چنانچہ باہمی اختلاف کے باوجود ائمہ مجتہدین ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور آج بھی ان مسالک کے پیروکار ایک دوسرے سے بڑی تعظیم وتکریم سے ملتے ہیں۔ میں ابھی اردن سے آرہا ہوں، میرے سارے میزبان شافعی تھے، شام گیا تو وہاں کچھ شافعی، کچھ حنبلی اور کچھ حنفی تھے لیکن ہماری ان سب کے ساتھ دوستیاں تھیں۔ بعض دفعہ سفر میں ایسا ہوتا کہ ظہر کے وقت ہمارے بعض ساتھی کہتے ہیں کہ ہم تو عصر کی نماز بھی ابھی پڑھ رہے ہیں (کیونکہ ان کے مسلک میں اس کی گنجائش ہے کہ حالت سفر میں عصر کو ظہر کے وقت پڑھا جائے) ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے تم پڑھنا چاہو تو پڑھ لو۔ ہم اپنے وقت پر عصر پڑھتے تھے لیکن محبت اور تعظیم وتکریم برقرار رہی۔

اب دیکھئے! امام شافعیؒ اور بعض دیگر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ جب جماعت ہو رہی ہو تو مقتدی کے لئے بھی سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقتدی کے لئے ایسی صورت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا جائز ہی نہیں۔ یہ بہت بڑا اختلاف ہے۔ نماز کے متعلق جتنے اور اختلاف ہیں وہ افضل غیر افضل کے ہیں لیکن یہ اختلاف وجوب اور عدم جواز کا ہے اور دلائل دونوں کے پاس قوی درجے کے ہیں۔ یہ دلائل قرآن کریم، احادیث سے ثابت ہیں۔

امام شافعی شاگرد ہیں امام محمد کے اور امام محمد شاگرد ہیں امام ابوحنیفہ کے۔ امام شافعی امام ابوحنیفہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ وہیں نماز کا وقت ہو گیا۔ امام شافعی کی عام عادت یہ تھی کہ وہ امامت کے لئے آگے نہیں بڑھتے تھے لیکن یہاں جب جماعت کا وقت ہوا تو خود ہی امامت کے لئے آگے بڑھ گئے۔ نماز پڑھائی اور اور اس میں رفع یدین نہیں کیا۔ (رفع یدین کا اختلاف افضل اور غیر افضل کا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک رفع یدین کرنا افضل ہے جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہ کرنا افضل ہے)

جب نماز سے فارغ ہوئے تو کسی شاگرد نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ آپ کی عادت تو امامت کرانے کی نہ تھی یہاں آپ خود ہی آگے بڑھ گئے اور پھر رفع یدین بھی نہیں کیا۔ فرمایا کہ رفع یدین تو اس لئے نہیں کیا کہ یہ میرے نزدیک افضل ہی تو ہے، واجب تو نہیں۔ مجھے یہاں نماز پڑھتے ہوئے شرم آئی کہ میں امام ابوحنیفہ کی رائے کے خلاف عمل کروں اور امامت کے لئے اس لئے آگے بڑھا کہ اگر میں کسی کے پیچھے نماز پڑھتا تو مجھے سورۃ فاتحہ پڑھنا پڑتی کیونکہ میرے مسلک کے مطابق اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی مگر یہاں ہوتے ہوئے امام صاحب کے مسلک کے خلاف عمل کرتے ہوئے شرم آئی لہٰذا میں امام بن گیا کیونکہ امام کو دونوں مذاہب کے مطابق سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

یہ تھا ان لوگوں کا آپس میں اکرام اور تعظیم۔ جو لوگ ان اختلافات کو طعن زنی کا ذریعہ بناتے ہیں وہ پرلے درجے کی بددیانتی سے کام لیتے ہیں یا پرلے درجے کی ناواقفیت کی بنیاد پر کہتے ہیں۔ جو حضرات ان اختلافات کی حقیقت کو جانتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ یہ اختلاف محض اللہ کے لئے تھا، اس میں نفسانیت کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ جو اختلافات فقہاء کرام کے درمیان بعد میں ہوئے یہ صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی موجود تھے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرامؓ "قرأت فاتحہ خلف الامام" کرتے تھے، بعض نہیں کرتے تھے، بعض رفع یدین کرتے تھے، بعض نہیں کرتے تھے، بعض آمین بلند آواز سے کہتے تھے،

بعض نہیں کہتے تھے۔ "نماز قصر" کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مسلک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مختلف تھا۔ یہ سب باتیں تھیں لیکن اس کے باوجود قرآن مجید ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ:

﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح، ۲۹)

(صحابہ کرامؓ) کافروں کے مقابلے میں سخت اور آپس میں نرم دل ہیں۔

قرآن مجید نے یہ تمغۂ امتیاز تمام صحابہ کرامؓ کو دیا ہے کہ وہ آپس میں رحیم و کریم ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کا یہ اختلاف خالص للّٰہیت پر مبنی تھا۔

جنگ جمل و صفین سے متعلق اشکال و جواب:

یہاں پر کوئی سوال کر سکتا ہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین کے جو واقعات پیش آئے، وہاں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی ہوئی ہے، یہ کیا تھا؟ یہ تفرق تھا یا اختلاف تھا؟ جائز تھا یا ناجائز تھا؟ نفسانیت پر مبنی تھا یا للّٰہیت کی بنیاد پر تھا؟

اس کا اصولی جواب تو اسی آیت میں آ گیا جو ابھی بیان ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات "رحماء بینھم" تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کی کوئی جنگ نفسانیت کے لئے نہ تھی۔ چنانچہ اس کے بہت سے دلائل بھی ہیں جنہیں تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے۔

(۱) حضرت علیؓ سے جنگ صفین کے موقع پر پوچھا گیا کہ کل کی جنگ میں اگر ہم اپنے مخالف لشکر کے صحابہ کو قتل کریں گے تو ان کا کیا حکم ہوگا فرمایا کہ وہ شہید ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ ہمارے لشکر کے آدمیوں کو قتل کیا گیا تو ان کا کیا حکم ہوگا؟ فرمایا کہ وہ بھی شہید ہوں گے۔ یہی سوال حضرت معاویہؓ سے بھی کیا گیا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت علیؓ نے دیا۔[1] کیونکہ دونوں فریق اللہ کے لیے لڑ رہے تھے حکومت کے لیے نہیں۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۸، فصل ۳۰

(۲) دوسری دلیل جو تاریخ نے محفوظ رکھی۔ عربی کی معروف لغت ہے "قاموس" اس کی شرح ہے "تاج العروس" جو علامہ زبیدیؒ نے لکھی۔ اس شرح میں "اصطفلین" کے لفظ کے تحت انہوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے[1]۔ اصطفلین "اصطفلینہ" کی جمع ہے۔ بمعنی گاجر، علامہ زبیدیؒ اس کلمے کے تحت نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ کے درمیان مقابلہ ہونے والا تھا تو ایک عیسائی حکمران کی طرف سے حضرت معاویہؓ کے پاس خط آیا اور اس میں انہیں ہر قسم کی مدد کرنے کی پیشکش کی۔ (اس بادشاہ نے اس موقع پر بہترین انداز میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور واقعہ یہ ہے کہ اگر آج کا کوئی حکمران ہوتا تو کہتا اہلاً سہلاً ومرحبا، لیکن معاویہ تو معاویہ تھے، تاج دار کونین سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے) انہوں نے جواب میں لکھا کہ او عیسائی! تو نے یہ سمجھا ہوگا کہ میں علیؓ کا دشمن ہوں یا علیؓ میرا دشمن ہے۔ یاد رکھ! وہ میرا بھائی ہے اور میں اس کا بھائی ہوں اور یہ جنگ ہم دو بھائیوں کی جنگ ہے۔ اگر تو نے اس میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تو علیؓ کے لشکر کا سب سے پہلا سپاہی بن کر جو نکلے گا اور گاجر کی طرح تیرا سرتن سے جدا کرے گا وہ معاویہ ہوگا۔

یہ شان تھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام کو آج کل کے سیاستدانوں پر قیاس کرتے ہیں۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم کہاں اور صحابہ کرام کہاں۔ قرآن مجید اور احادیث ان کے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔

ایک اہم اصول:

ایک بڑا اصول یاد رکھنے کا ہے جو ہمارے والد ماجدؒ نے اپنی کتاب "مقام صحابہ" میں تحریر فرمایا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ تاریخی کتاب اٹھائیں گے تو آپ

۱۔ تاج العروس ج ۷ ص ۴۰۸ نیز ملاحظہ فرمایئے: غریب الخطابی ج ۲ ص ۵۸۳، الفائق ج ۱ ص ۴۰۲، لسان العرب ج ۱ ص ۲۱۱، ص ۳۶۵۔

ضرور ہوگا۔ چنانچہ قرآن وسنت کی تشریح میں صحابہ کرام کا بھی اختلاف ہوا اور ائمہ مجتہدین کا بھی اختلاف ہوا لیکن یہ اختلاف ہے "تفرق" نہیں ہے۔ اختلاف جائز ہے۔

تین چیزیں:

تفرق پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ ذہن میں رکھیں کہ اختلاف کے متعلق جو بات ہوئی ہے، اس کا حاصل اور لب لباب تین چیزیں ہیں۔

ایک یہ کہ جو اختلاف قرآن وسنت کی بنیاد پر اخلاص وللہیت کے ساتھ ہو اور اختلاف کرنے والوں میں وہ اہلیت بھی موجود ہو جو اس کے لئے ضروری ہے تو یہ اختلاف ممنوع نہیں بلکہ امت کے لئے رحمت ہے۔

دوسرے یہ کہ ایسے مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے۔ یعنی ایک سے زیادہ آراء کا احتمال ہوتا ہے اس میں جو فریق بھی جو جہت اختیار کرے وہ منکر نہیں ہوتی۔ جب وہ منکر نہیں تو کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کو اس کی بنیاد پر ٹوکے مثلاً ایک شخص رفع یدین کر رہا ہے، دوسرا نہیں کر رہا، کرنے والے کے لئے جائز نہیں کہ وہ نہ کرنے والے کو ٹوکے اور نہ کرنے والے کے لئے بھی جائز نہیں کہ کرنے والے کو ٹوکے۔ کیونکہ کوئی جہت بھی منکر نہیں، اور "غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے۔"

تیسری بات یہ ہے کہ ہم جو مثلاً یہ کہتے ہیں کہ ہم حنفی ہیں اور فلاں شافعی یا مالکی یا حنبلی ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ امام ابوحنیفہ کا یہ قول یقیناً، یقیناً صحیح ہے اور امام شافعیؒ کا قول یا کسی اور امام مثلاً امام احمد بن حنبلؒ یا امام مالکؒ کا قول جو اس کے مقابلے میں ہے، وہ یقیناً غلط ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارا قول "مظنون الصواب اور محتمل الخطاء" ہے جبکہ دوسرے کا قول "مظنون الخطاء اور محتمل الصواب" ہے۔ یعنی ہمارا ظن غالب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا قول صحیح ہے، اگرچہ احتمال اس کے غلط ہونے کا بھی ہے اور دیگر ائمہ کے بارے میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ ہمارا ظن غالب یہ ہے کہ وہ

خطا ہے لیکن احتمال یہ بھی ہے کہ وہ صحیح ہو۔

تفرق کے جواز کی کوئی صورت نہیں:

دوسری چیز ہے "تفرق" یعنی مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا۔ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ شریعت نے کسی بھی حالت میں اس کی اجازت نہیں دی۔ خنزیر کا گوشت جتنا بڑا حرام ہے، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اس سے بڑا حرام ہے۔ خالص انگور کی شراب پینا جتنا بڑا گناہ ہے، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اس سے بڑا گناہ ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ بعض انتہائی مجبور کن حالات میں شریعت نے ایک حد تک خنزیر کا گوشت کھانے اور شراب پینے کی اجازت دے دی (مثلاً ایک شخص کی بھوک یا پیاس کی وجہ سے جان جا رہی ہے اور کوئی حلال چیز میسر نہیں تو اتنا خنزیر کا گوشت کھا لینا یا اتنی شراب پی لینا کہ جس سے جان بچ جائے، اس کی اجازت دے دی) لیکن مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی اجازت کسی حالت میں نہیں دی۔ جتنا ہم نے قرآن وسنت میں غور کیا اور جتنا ہمارے بزرگوں نے ہمیں سکھایا، ہمیں یہی نظر آیا کہ "تفرق" کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔

نہی عن المنکر کب ضروری ہے؟

آج کے دور کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ باہمی اختلاف رائے کو باہمی جنگ وجدل اور پھوٹ ڈالنے کا ذریعہ بنالیا گیا۔ شیطان کا ایک بڑا کمال یہ ہے کہ وہ عالم کے پاس عالم کے روپ میں آتا ہے، صوفی کے پاس صوفی بن کر آتا ہے اور فقیہ کے پاس فقیہ بن کر آتا ہے اور اسے یہ سمجھاتا ہے کہ دیکھو فلاں شخص نے یہ کام غلط کیا ہے اور کلمۂ حق کہنا فرض عین ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ:

﴿مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ﴾ (مسلم، کتاب الایمان)

"جو تم میں سے کوئی برائی ہوتی دیکھے تو چاہیے کہ اسے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

لیکن یہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ وہ جس کو روکنے جا رہا ہے وہ منکر ہے بھی نہیں کیونکہ اس کا تعلق مجتہد فیہ مسائل سے ہے۔ اور اگر منکر بھی ہو لیکن اس پر نکیر کرنے کی وجہ سے کوئی بڑا فتنہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں "نہی عن المنکر" بھی جائز نہیں ہوتا، بلکہ سکوت واجب ہو جاتا ہے۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ

﴿من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع الخ﴾

یہاں پر استطاعت سے صرف حسی استطاعت اور قدرت مراد نہیں بلکہ قدرت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر اس منکر کے ازالے سے کوئی دوسرا منکر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے یا مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے تو یوں سمجھا جائے گا کہ قدرت حاصل نہیں اور سکوت کرنا واجب ہو جائے گا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کا واقعہ:

اس کی مثال صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدریؓ کا یہ واقعہ ہے کہ ان کے دور میں مروان بن حکم مدینے کا گورنر تھا۔ اس نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ عید کی نماز میں خطبہ نماز سے پہلے دینا شروع کر دیا۔ ایک مرتبہ حضرت ابو سعید خدریؓ اور وہ اکٹھے عیدگاہ کی طرف آئے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے اسے مصلی کی طرف بڑھایا لیکن وہ منبر پر چڑھ گیا۔ جب وہ خطبہ دینے لگا تو ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ اس نے کوئی سخت کارروائی نہیں کی۔ صرف ایک جملہ بولا کہ

﴿الصلوٰۃ قبل الخطبۃ﴾

"نماز خطبے سے پہلے (ہونا ضروری) ہے۔"

لیکن مروان نے کہا کہ وہ طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کھڑے ہوگئے اور فرمایا:

﴿اما ھذا فقد قضی ما علیہ﴾ "مسلم کتاب الایمان"

(یہ شخص جس نے یہ مسئلہ بتلایا) اس نے وہ فریضہ ادا کر دیا جو اس کے ذمے تھا۔

اب یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہاں حضرت ابوسعید خدریؓ اور اس شخص کو یہ حسی قدرت حاصل تھی کہ مروان کو پکڑ کر منبر سے نیچے اتار دیتے لیکن شرعی قدرت نہیں تھی کیونکہ اگر ایسا کرتے تو لڑائی جھگڑا پیدا ہو جاتا۔ کچھ لوگ حضرت ابوسعید خدریؓ کا ساتھ دیتے اور کچھ مروان بن حکم کا ساتھ دیتے۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر پھوٹ پڑتی۔ تو حضرت ابوسعید خدریؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ یہاں صرف زبان سے کہہ دینا کافی تھا، ہاتھ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ معلوم ہوا کہ منکر کا ازالہ بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس سے مسلمانوں میں پھوٹ نہ پڑے۔

عید کی نماز میں سجدۂ سہو کیوں معاف ہے؟

اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر نماز میں واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عید کی نماز میں واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو نہ کیا جائے۔ وجہ یہ بتاتے ہیں کہ عید کی نماز میں مجمع بہت زیادہ ہوتا ہے اور اس کا طریقہ عام نمازوں سے کچھ مختلف بھی ہے اس میں اگر سجدۂ سہو کیا جائے گا تو بہت سے وہ لوگ جو پوری طرح مسائل سے واقف نہیں ہوتے وہ الجھن کا شکار ہو جائیں گے۔ کوئی سجدہ کرے گا، کوئی سلام پھیرے گا، کوئی کھڑا ہو جائے گا۔ پھر جس میں

جھگڑا ہو گا، کچھ لوگ امام کے سر پر چڑھ جاتے کہ تم نے ہماری نماز خراب کر دی تو شریعت نے امت کو جھگڑے سے بچانے کے لئے یہ حکم دے دیا کہ یہاں سجدہ سہو ہی نہ کرو۔

حطیم کو بیت اللہ میں کیوں شامل نہیں کیا گیا؟

اس کی ایک اور بہت واضح مثال یہ ہے کہ بیت اللہ شریف جو پوری امت مسلمہ کا قیامت تک کے لئے قبلہ ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے گرد کچھ حصہ "حطیم" کہلاتا ہے۔ یہ دراصل بیت اللہ کا حصہ تھا لیکن جب قریش نے اس کی تعمیر کی تو ان کے پاس پیسوں کی کمی تھی، اس لئے انہوں نے کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں حطیم کے حصے تک ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اگر تیری قوم (یعنی مسلمان) حدیث العہد بالاسلام نہ ہوتی (یعنی اگر یہ تازہ تازہ مسلمان ہوئے نہ ہوتے) تو میں اس بیت اللہ کو حضرت ابراہیم کی بنیادوں کے مطابق تعمیر کرتا۔ (لیکن چونکہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، اس لئے خطرہ ہے کہ اگر میں اسے منہدم کر کے حطیم والا حصہ شامل کروں گا تو نئے مسلمانوں میں کچھ لوگ بے چینی کا شکار ہوں گے جس سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے) (بخاری، باب من ترک بعض الاختیار مخافۃ ان یقصر فھم بعض الناس الخ، رقم الحدیث: ۱۲۶، مسلم، رقم الحدیث ۲۳۴۳)

دیکھئے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پھوٹ سے بچانے کے لئے بیت اللہ کو، جو قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا قبلہ بنا تھا، نامکمل چھوڑ دیا اور آج تک نامکمل چلا آ رہا ہے حالانکہ یہ کروڑوں انسانوں کا قبلہ ہے اور اس کا رتبہ مسجد سے کہیں زیادہ ہے لیکن مسلمانوں کو پھوٹ سے بچانے کے لئے اسے تکمیل کئے بغیر چھوڑ دیا گیا۔

مسلمانوں کی تباہی کے دو اسباب:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا جیل کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت

کر کے رد ہو کر واپس دیوبند تشریف لائے تو وہاں یہاں کی باتیں ہوتی تھیں۔ حضرت اپنے حالات سنایا کرتے۔ ایک مجلس میں جس میں صرف ہم دو تین علماء تھے حضرت نے فرمایا کہ ہم نے اس چھوٹے سے لٹاکے قیام کے دوران دو چیزیں سیکھیں۔ مجلس میں بڑے بڑے مشاہیر علماء موجود تھے اور سب چونک کر متوجہ ہوئے کہ اپنے وقت کا امام جو ڈابھیل سے لوٹ کر آیا ہے، وہ کتنی اہم ہوں گی، فرمایا کہ ہم کو دو چیزوں نے تھکا دیا ہے۔ ایک قرآن سے دوری نے اور دوسرے مسلمانوں کے باہمی افتراق نے۔ میں یہ سبق لے کر آیا ہوں کہ زندگی کے جتنے لمحات باقی ہیں وہ قرآن مجید کی خدمت میں اور مسلمانوں کے افتراق کو ختم کرنے میں گزارنے ہیں۔" ہر برائی کو ایک وقت تک اور ایک حد تک برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن مسلمانوں کے افتراق وانتشار کو کسی حالت میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا:

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا۔ اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ ایک آدمی اپنی مونچھیں نیچی کرنے کے لئے تیار ہو۔ اگر دونوں اپنی مونچھیں اونچی رکھیں گے تو کبھی اتحاد نہ ہوگا۔ اور تکبر کا ہونا تقویٰ کے منافی ہے۔

اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں:

کرنا کیا چاہیے؟ اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ملفوظ جو بہت مختصر ہے، یاد رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ "اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں۔" جو جس مسلک کا قائل ہے وہ اپنے مسلک پر عمل کرے۔ لیکن دوسروں کو نہ چھیڑے۔ یہ وہی بات ہے کہ جن فروعی مسائل میں کوئی جہت منکر نہیں ہوتی اور جب منکر نہیں تو اس پر نکیر کرنا جائز نہیں (یعنی اسے چھیڑنا جائز نہیں)

خلاصہ:

بس میری گزارشات کا خلاصہ یہ نکلا کہ اختلاف جائز ہے اور اختلاف کرنے والوں کی آراء کا احترام بھی لازم ہے لیکن افتراق کسی حال میں جائز نہیں۔ ہم اسی افتراق کی وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے کچھ اشعار اس معاملے کی بڑی اچھی ترجمانی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آج کفر ہمیں مٹانے پر تلا ہوا ہے اور ہم آپس میں جھگڑے کر رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے مسلک پر عمل کرے اور بھائیوں کی طرح مل کر رہے اور مل کر کفر کا مقابلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تین اہم شعبے: تعلیم، تبلیغ، جہاد

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

مقام: تبلیغی مرکز، ڈیوز بری، انگلینڈ

تاریخ: ۲۶/ستمبر ۱۹۹۱ء

ترتیب و کتابت: مولانا محمد صدیق

﴿تین اہم شعبے تعلیم، تبلیغ، جہاد﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا. من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ و من یضللہٗ فلا ھادی لہٗ و نشھدان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد ان سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہ اجمعین.﴾

اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم○

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (آل عمران: ۱۶۴)

وَقَالَ تَعَالٰى:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ.﴾ (النحل: ۴۴)

وقال تعالٰی:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾ (آل عمران: ۱۰۴)

وقال تعالٰی:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۝ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۝ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ.﴾ (المائدہ: ۶۷)

وقال تعالٰی:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ. يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۝﴾ (التوبہ: ۱۱۱)

کفرستان آج دین کی سربلندی کا سنگ میل

بزرگان محترم اور برادران عزیز

اگر ہمارے جسم کا رواں رواں بھی اللہ کا شکر ادا کرنے لگ جائے تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا کہ یہ سرزمین جو آج سے ساٹھ ستر سال پہلے اذانوں سے

محروم تھی، اللہ کے ذکر سے بے بہرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی قربانیوں کو ایسا اثر دیا کہ آج وہی کفرستان اللہ کے دین کی سربلندی کا ایک بہت بڑا سنگ میل محسوس ہوتا ہے۔ ان دعوت کا کام کرنے والوں کے دل سے کوئی پوچھے جنہوں نے یہاں کے برفستانوں میں عین برفباری کے دوران کھلے میدانوں میں کس طرح راتیں گزاری ہیں، کوئی انہیں ٹھہرانے والا بھی نہیں تھا۔ ان حالات میں اللہ کا پیغام گھر گھر پہنچایا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ نے اس کے ثمرات یہ دکھلائے کہ اب یہاں جگہ جگہ مسجدیں ہیں جو نمازیوں اور ذاکرین سے آباد ہیں۔ اور اسی دعوت والی محنت کا نتیجہ ہے کہ جگہ جگہ مکاتب قرآنی کھلے ہوئے ہیں۔

پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے جو خاندان دین سے بے بہرہ تھے، نمازیں نہیں پڑھتے تھے، داڑھیاں نہیں رکھتے تھے، بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم نہیں دلواتے تھے، وہ یہاں آئے تو ملازمت اور مزدوری کے لئے تھے لیکن یہاں پر ہونے والی دعوت کی محنت کے ثمرات نے ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا۔

دین کی محنت رائیگاں نہیں جاتی

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جو محنتیں کی جاتی ہیں، کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ ذرا دیکھئے تو سہی کہ غزوۂ خندق کے موقع پر جب وہ چٹان آ گئی جو صحابہ کے زور لگانے کے باوجود نہیں ٹوٹ رہی تھی۔ تو تاجدار دو عالم، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال سے آگاہ کیا گیا۔ آپ تشریف لائے۔ آپ نے اللہ کا نام لے کر کدال ماری تو اس سے چنگاری نکلی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس میں قیصر کے محلات دکھائی دے رہے ہیں، دوسری مرتبہ کدال مارنے سے چنگاری نکلی تو فرمایا کہ مجھے کسریٰ کے محلات نظر آ گئے ہیں۔ تیسری مرتبہ فرمایا کہ مجھے یمن کے محلات نظر آ رہے ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ میرے سامنے ان کے خزانے پیش کئے گئے۔ میں تمہیں یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ تم ان ملکوں کو فتح کرو گے۔

کہ اس مدینہ میں ماری جا رہی تھی۔ اس کے اثرات قیصر و کسریٰ کے محلات پر پڑ رہے تھے کہ اس آج ماری جا رہی تھی، اس کے اثرات دس سال بعد ظاہر ہونے والے تھے۔ اسی طرح دعوت کی محنت ایک جگہ کی جاتی ہے۔ اس کے اثرات دوسری جگہ ظاہر ہوتے ہیں۔ محنت آج کی جاتی ہے۔ اس کے اثرات بعض مرتبہ سالہا سال بعد نظر آتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کی پچھلی محنتیں آج رنگ لا رہی ہیں۔ ہماری محنتیں انشاء اللہ آئندہ رنگ لائیں گی۔ ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے لیکن ہماری نسلوں کو اس محنت کا فائدہ پہنچے گا۔

اگر یہ محنتیں نہ ہوتیں.....

اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ یہ دین قیامت تک رہنے کیلئے آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین کی اشاعت و تبلیغ اور اس کے تحفظ اور بقاء کے لئے جو کام کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے، ان تمام کاموں کی ذمہ داری آپ صحابہ کرام کے سپرد کر گئے تھے۔ اللہ رب العالمین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے تابع دار صحابہ کی جماعت عطا فرمائی کہ اس زمین و آسمان نے ان کے بعد ایسے انسان نہیں دیکھے۔ انہوں نے ان کاموں کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ مسلسل بڑھاتے چلے گئے اور جب صحابہ کرام کا قرن ختم ہو رہا تھا تو ان کی ذمہ داریاں تابعین سنبھال چکے تھے، جب تابعین رخصت ہوئے تو ان کی ذمہ داریاں تبع تابعین نے سنبھالیں۔ اس طریقے سے یہ دین چلتا چلتا ہم تک پہنچا ہے۔ اگر یہ محنتیں نہ ہوتیں تو آج ہم تک یہ دین نہ پہنچتا۔ اور نہ جانے ہم کہاں کہاں ہوتے؟ اور ہم کیسے ماں باپ کی اولاد ہوتے؟ یہ دین ہم تک قربانیوں، محنتوں اور مسلسل اللہ پر یقین کے ساتھ کوششوں سے پہنچا ہے۔

آج بھی مسلمانوں کے لئے کامیابی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ سوائے اس راستے

کے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ڈالا تھا اور صحابہ کرام نے تابعین کو اور تابعین نے تبع تابعین کو ڈالا تھا۔ اس امت کے مسلم امام، امام مالکؒ کا ارشاد ہے

﴿لن يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها﴾

اس امت کے آخری گروہ کی اصلاح نہیں ہوگی سوائے اس راستے کے جس راستے سے اس امت کے ابتدائی گروہ کی اصلاح ہوئی۔

تین کام: سیرت نبوت کا خلاصہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی و مدنی زندگی کے کاموں کا اگر لب لباب نکالا جائے تو تین کام نظر آتے ہیں جو ترتیب وار شروع ہوئے۔

سب سے پہلا کام جو سب سے پہلے وحی کے ساتھ فاران کی چوٹیوں پر غار حرا میں شروع ہوا۔ وہ تعلیم و تعلم کا تھا جو سب سے پہلے پیغام جبرئیل امین اللہ رب العالمین کی طرف سے لے کر آئے، وہ ان الفاظ سے شروع ہو رہا تھا۔

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ (العلق: ۱۔ ۵)

"پڑھئے اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے، بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے، پڑھئے اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے۔ سکھایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔"

آپ گھر تشریف لائے۔ یہ آیات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو سنائیں، پھر حضرت صدیق اکبرؓ کو سنائیں پھر حضرت علیؓ کو سنائیں۔ یہ حضرات فوراً ایمان لے آئے لیکن ابھی اس پیغام کو عام کرنے کا حکم نہیں تھا۔ البتہ یہ آیات سیکھی اور سکھائی جا رہی تھیں ان کی تعلیم اور تعلم جاری تھا کافی عرصے تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے تابی

سے جبرئیل علیہ السلام کا انتظار رہتا تھا۔ ایک دن جب غار سے واپس آتے ہوئے "وادی جیاد" سے اتر رہے تھے تو جبرئیل امین حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا کہ:

﴿يَآ أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○﴾ (المدثر ١۔ ۵)

"اے لحاف میں لپٹنے والے، کھڑا ہو پھر سنا دے اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ۔"

ان آیات میں آپ کو حکم دیا گیا کہ "انذار" کیجئے یعنی اللہ کے عذاب سے لوگوں کو ڈرایئے۔ ایک جگہ قرآن مجید میں آپ سے کہا گیا کہ:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾

"آپ اس پیغام کا کھل کر اعلان کر دیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔"

چنانچہ آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اللہ کا پیغام پہنچایا۔ یہ پہلا موقع تھا جب آپ نے دعوت عام دی ہے۔ قریش کے تمام خاندانوں کا نام لے لے کر اور انہیں پکار پکار کر دعوت دی۔ تعلیم کا کام پہلے دن سے چل رہا تھا۔ اب دعوت کا کام بھی شروع ہو گیا۔

"اِنذار" کا مطلب

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینے کا حکم دیا گیا تو اس کی پہلی وحی سورۂ مدثر کے اندر "انذار" کا لفظ استعمال ہوا لفظ "انذار" کا مطلب سمجھ لیجئے۔ ہماری اردو اتنی فصیح زبان نہیں کہ عربی کے ہر لفظ کی پوری پوری ترجمانی کر سکے۔ "انذار" کا لفظ بھی ایسا ہی ہے کہ اردو کا اکیلا کوئی لفظ اس کی پوری ترجمانی نہیں کر سکتا بلکہ کئی لفظوں کے مجموعہ کو ملا کر اس کے مطلب کو واضح کیا جا سکتا ہے۔ عام طور پر "انذار" کا ترجمہ "ڈرانے" سے کر دیا جاتا ہے مگر درحقیقت یہ کافی

ترجمہ نہیں۔ "انذار" کے معنی ہیں "کسی کو شفقت اور خیر خواہی کے ساتھ کسی نقصان سے بچانے کے لئے ڈرانا" جیسے ماں اپنے بچے کو ڈراتے ہوئے کہتی ہے "آگ کے پاس نہ جانا، ہاتھ جل جائیگا"۔ اگر بچہ چھت کے اوپر سے جھانک رہا ہو تو ماں کہتی ہے کہ "بیٹا! زیادہ مت جھکنا گر جاؤ گے" ماں کا یہ ڈرانا انتہائی شفقت، محبت اور خیر خواہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کا نام انذار ہے۔

انسان کو شیر بھی ڈراتا ہے۔ اس کا دشمن بھی اسے ڈراتا ہے۔ یہ ڈرانا "انذار" نہیں۔ اسی طرح آپ نے کسی کے اوپر لاٹھی اٹھائی اور کہا کہ یہ کام کرو ورنہ ماروں گا، یہ بھی انذار نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو انتہائی محبت اور خیر خواہی کے ساتھ اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے اور اس کا اظہار آپ نے اپنے قول و فعل سے کیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ داعی اور مبلغ کا کام خیر خواہی اور گہری شفقت کے ساتھ ڈرانا ہے اور گہری شفقت کے ساتھ وہی ڈرایا کرتا ہے جس کے دل میں خود اللہ کا ڈر اور خوف پایا جاتا ہو۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا خوف

مجھے اس وقت اپنے بچپن کا واقعہ یاد آرہا ہے اور اس موقع کی وجہ سے بار بار یاد آرہا ہے۔ میری عمر اس وقت تقریباً سات سال کی ہوگی کہ میں اپنے والد ماجد مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ساتھ پہلی مرتبہ دیوبند سے دہلی گیا۔ وہاں والد صاحبؒ نے ہمیں شاہی قلعہ اور دیگر تاریخی مقامات دکھائے۔ اس کے بعد نظام الدین تشریف لے گئے۔ مجھے تو بعد میں پتہ چلا کہ وہ کونسی جگہ تھی اور وہ کون لوگ تھے۔ جن کے پاس والد صاحب گئے تھے البتہ اتنا نقشہ ضرور اب تک ذہن میں آگیا کہ وہاں کچھ لوگ تھے۔ ایک نوجوان جن کی خوبصورت داڑھی تھی، وہ بھی وہاں موجود تھے۔ (بعد میں پتہ چلا

کہ یہ مولانا الیاس صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحبؒ تھے) ان سے باتیں ہوئیں۔ اتنا یاد ہے کہ وہاں کسی کی مزاج پرسی کے لئے گئے لیکن دروازے پر کھڑے لوگوں نے اندر جانے کی اجازت نہ دی۔ واپس آنے لگے تو وہی نوجوان آئے اور کہنے لگے کہ حضرت والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ اندر لے گئے۔ دیکھا کہ ایک بہت ہی نحیف اور کمزور بزرگ سفید عمامہ باندھے ہوئے دائیں کروٹ لیٹے ہوئے تھے۔ (بعد میں والد صاحبؒ نے بتایا کہ یہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ تھے) انہوں نے اصرار کر کے والد صاحبؒ کو اپنی چارپائی پر بٹھا لیا اور پھر بلک بلک کر رونے لگے۔ اتنے بلک بلک کر روئے کہ میں حیران رہ گیا کہ یہ کیوں اتنا رو رہے ہیں۔ والد صاحبؒ نے ان کو تسلی دی جس سے انہیں کچھ ٹھنڈک سی پڑ گئی اور وہ خاموش ہو گئے۔

وہ باتیں کیا تھیں؟ اس وقت بچہ ہونے کی وجہ سے مجھے سمجھ میں نہیں آئیں لیکن والد صاحبؒ بعد میں وہ واقعہ سنایا کرتے تھے۔ والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب مولانا محمد الیاسؒ نے مجھے دیکھا تو اپنے طبیب کو بھول گئے اور بلک بلک کر رونے لگے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیوں رو رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد جب ذرا سکون ہوا تو یوں گویا ہوئے۔ ”مفتی شفیع! جب میں نے یہ کام شروع کیا تھا تو مجھے دور دور تک یہ توقع نہیں تھی کہ میری زندگی ہی میں یہ کام اتنا پھیل جائے گا۔ اب یہ کام اتنا پھیل گیا ہے کہ مجھے یہ ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں یہ ”استدراج“ تو نہیں۔“ (استدراج کا مطلب ہے کہ کوئی شخص نافرمانی کے راستے پر چل رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اسے ڈھیل دے دے اور وہ یہ سمجھے کہ میں تو بڑا اچھا کام کر رہا ہوں اور اسی میں وہ ختم ہو جائے جیسا کہ فرعون و ہامان وغیرہ کے ساتھ ہوا کہ نافرمانی کے باوجود انہیں بادشاہت اور وزارت ملی جس سے وہ اور گھمنڈ میں آ گئے اور کہنے لگے کہ اگر اللہ ناراض ہوتا یہ چیزیں کہاں ملتیں)۔

والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے ان سے کہا کہ یہ ہرگز استدراج نہیں

ہے۔ اور میرے پاس ان کی دلیل ہے۔ وہ یہ کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ استدراج کرتا ہے، اس کو کبھی خیال بھی نہیں گزرتا کہ میرے ساتھ استدراج ہو رہا ہے۔ آپ پر خوف وخشیت کی یہ کیفیت طاری رہنا ہے کہ یہ ہرگز استدراج نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا انعام و کرم ہے۔

جس شخص کے دل میں دین کی یہ بھی سلگ رہی تھی، وہ اپنی ساری توانائیاں دعوت کے کام میں لگانے کے بعد بھی اسے خوف اور ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسی نافرمانی تو نہیں ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے استدراج میں مبتلا کر دیا۔ یہ خوف اسے ہی دامنگیر ہو سکتا ہے جس کا دل اللہ کے خوف، اس کی عظمت اور اپنی حقارت کے جذبات سے بھرا ہوا ہو۔ یہ انہی کے خوف و خشیت کا نتیجہ ہے کہ الحمد للہ، آج اس کے ثمرات ہمارے سامنے ہیں۔

مکی زندگی

مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ زندگی میں انذار اور دعوت کے نتیجے میں آپ پر مصائب کے جو پہاڑ توڑے گئے وہ پوری ایک داستان ہے۔ مجاہدوں، ریاضتوں اور قربانیوں کی بھٹی کے اندر سونے کو کندن بنایا جا رہا ہے، نفس کو کچلا جا رہا ہے۔ کوڑے پڑ رہے تھے۔ نجاستیں پھینکی جا رہی تھیں، گالیاں دی جا رہی تھیں لیکن حکم تھا کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دو۔ چنانچہ گالیوں کا جواب دعاؤں سے ملتا تھا۔ تیرہ سال اس مجاہدے کی بھٹی سے گزارا گیا اور پھر حکم ہوا کہ بیت اللہ کے درو دیوار اور اس کے پڑوس کو جو تمہارا آبائی وطن بھی ہے، چھوڑ کر مدینہ چلے جاؤ۔

مدنی زندگی اور جہاد

مدنی زندگی کے آغاز سے تیسرا عمل یعنی جہاد فی سبیل اللہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ مدینہ آنے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد غزوہ بدر کا واقعہ پیش آ گیا۔ یہ حق و باطل کا پہلا

معرکہ، اللہ تعالیٰ نے اس طرح جیتنے سے فرمایا کہ آپ قریش کے ارادے سے مدینے سے
نکلے تھے جس میں کافروں کو مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی گئی (جو واقعہ کے مطابق تھی) اور
مسلمانوں کو کافروں کی تعداد بھی کم دکھائی گئی۔ معرکہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تین سو تیرہ بے
پر مشتمل بے سروسامان قافلے کو ایک ہزار کے مسلح لشکر پر فتح عطا فرمائی۔ کفار کا لشکر جو فتح
کے نشے میں بدمست ہوا تکبر کے گیت گاتا ہوا اور فتح کا یقین کرتا ہوا آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے
اسے سرنگوں کیا۔ ان کے ستر افراد قتل ہوئے اور اتنے ہی افراد گرفتار ہوئے۔ گویا اس
معرکے کے ذریعے اسلام کی دھاک بٹھائی گئی۔

اس کے بعد چھ سالہ مدنی زندگی ساری ایسی گزری ہے کہ شاید ہی کوئی مہینہ ایسا
خالی جاتا تھا کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کو کوئی نہ کوئی جہادی
مہم پیش نہ آئی۔ غزوات اور سرایا کا ایک سلسلہ جاری تھا۔ یہاں تک کہ ۶ھ
میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا جس کے اندر ایسی شرائط رکھی گئی تھیں کہ بظاہر یوں معلوم
ہوتا تھا کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی ہے۔ فاروق اعظمؓ بے تاب ہو کر کہتے تھے کہ یا
رسول اللہ! جب ہم حق پر ہیں اور ہمارا دین بھی حق ہے تو یہ دبنے والی شرائط ہم کیوں
قبول کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ وہ
مجھے کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ (مسلم، باب صلح الحدیبیۃ فی الحدیبیۃ، رقم الحدیث ۱۷۸۵)۔

اور اس کے بعد آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ (الفتح: ۱)

"ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کردی"۔

اور بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ صلح مسلمانوں کے حق میں فتح مبین
کا باعث بنی۔ کیونکہ اسی صلح کے زمانے میں آپ کو تمام عرب کی طرف تبلیغی وفود کو
بھیجنے کا اور بادشاہان دنیا کے نام تبلیغی خطوط بھیجنے کا موقع مل گیا۔ آپ نے قیصر روم، کسریٰ

فارس، شاہ مصر، شاہ حبشہ، شاہ یمن اور متعدد بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط بھیجے۔

صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خطوط لے کر مختلف ملکوں کی طرف جا رہے تھے۔ کوئی مصر جا رہا تھا، کوئی شام جا رہا تھا، کوئی افریقہ کوئی حبشہ جا رہا تھا۔ ہر ملک کی زبانیں الگ الگ تھیں اور صحابہ کرام ان زبانوں سے واقف نہیں تھے۔ لیکن طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ جس دن روانگی ہونے والی تھی، اس دن جب صبح کو اٹھے تو ہر صحابی اس ملک کی زبان جان چکا تھا، جس ملک کی طرف وہ جانے والا تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ا جز ۳ ص ۲۵۸ و ص ۲۹۴)

پھر کچھ عرصہ بعد صلح حدیبیہ ٹوٹ گئی جس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔ اس کے بعد مشکل ترین غزوہ "غزوۂ تبوک" پیش آیا اور پھر جب اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو جیش اسامہ روانگی کے لئے تیار کھڑا تھا۔ اس وقت حضرت اسامہ کم عمر نوجوان تھے اور خاندانی اعتبار سے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے بیٹے تھے، رنگ کے اعتبار سے کالے تھے، ہونٹ موٹے تھے اور صورت و شکل میں بظاہر کوئی حسن نظر نہیں آتا تھا لیکن آپ نے انہیں لشکر کا سپہ سالار بنایا اور سپہ سالار بھی ایسا بنایا کہ ابوبکر صدیق ؓ اور عمر فاروق ؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی ان کے ماتحت تھے۔ اس عمل کے ذریعے امت کو یہ سکھانا تھا کہ جو بھی تمہارا امیر مقرر ہو جائے، اس کی طاعت واجب ہے خواہ عمر میں چھوٹا ہو، رنگ میں کالا ہو اور خاندانی اعتبار سے بھی کم ہو۔

الحمد للہ، دعوت و تبلیغ کے کام میں یہی سکھایا جاتا ہے۔ تبلیغی قافلے جاتے ہیں۔ اس میں امیر مقرر کئے جاتے ہیں اور اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ جس کو بھی امیر مقرر کر دیا جائے، اس کی اطاعت ضروری ہے۔

اسلام پوری دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن گیا

غرضیکہ آپ کی سیرت طیبہ کا پہلا کام "تعلیم و تربیت" غار حرا اور دار ارقم سے

شروع ہوا۔ دوسرا عمل "دعوت و تبلیغ" یہ وحی کے نزول کے وقت سے شروع ہو گیا اور تیسرا عمل "جہاد" یہ ہجرت مدینہ سے شروع ہوا۔ یہ تینوں کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر حیات تک کرتے رہے اور یہی کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہوئے اور ان تینوں کاموں کا امین صحابہ کرام کو بنایا۔ صحابہ کرام نے ان تینوں کاموں کو اس حسن و خوبی کے ساتھ آگے بڑھایا کہ دنیا نے وہ تماشا دیکھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری دنیا کے معلم بن گئے اور ان کے تبلیغی قافلوں کے لئے دشمنان اسلام اپنے قلعوں کے دروازے کھول رہے تھے اور جو دروازہ بند کیا گیا۔ انہیں یہ پیغام دیا گیا کہ اگر تم کلمہ اسلام پڑھ لیتے ہو تو ہمارے بھائی بن جاؤ گے لیکن اگر تم کلمہ اسلام نہیں پڑھتے تو ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے اور تمہیں زبردستی مسلمان نہیں بناتے لیکن ہمارے لئے دعوت کے راستے کو بند نہ کرو جس کی صورت یہ ہے کہ ہم سے صلح کر لو تاکہ ہم اللہ کا پیغام اگلی قوموں اور دوسرے ملکوں تک پہنچا سکیں اور اگر تم اس کو بھی قبول نہیں کرتے ہو تو ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

چنانچہ کہیں تلوار سے فیصلے ہوئے، کہیں مصالحت سے فیصلے ہوئے اور کہیں عوام الناس نے خود ہی اپنے بادشاہوں کے تخت و تاج الٹ کر پھینک کر مجاہدین اسلام کا استقبال کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کا سب سے بڑا دین اسلام بن گیا۔ اللہ کے اس دین کی حکمرانی پوری مہذب دنیا پر چھا چکی تھی۔

جب یہ کام نہ رہے

جب تک یہ تینوں کام اخلاص کے ساتھ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ اور صحابہ کرام کی نقالی کے ساتھ انجام دیئے جاتے رہے تو مسلمان پوری دنیا کے معلم بھی تھے، میر کارواں بھی تھے، حکمران بھی تھے اور پوری دنیا کے لئے داعی اسلام بھی تھے۔ جوں جوں ہمارے ان کاموں میں کمزوری پیدا ہوئی۔ ہم عظمتوں سے ذلتوں کی طرف لڑھکتے چلے گئے۔ ہم نے پیسے کمانے کے لئے دینی تعلیم سے منہ موڑا اور جب دین

کا علم نہ ہو تو دین کی تبلیغ کیسے کریں گے، اس لئے کہ تبلیغ تو علم پر موقوف ہے۔ جب تک علم نہ ہو تو تبلیغ کس چیز کی کریں گے؟ اور جب علم بھی نہ رہا، تبلیغ بھی نہ رہی تو پھر جہاد کس کام کے لئے ہوگا کیونکہ علم اور تبلیغ سے خالی جہاد فساد فی الارض کا ذریعہ تو بن سکتا ہے اشاعت دین کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

داعیانِ اسلام اور علماء کرام کی قربانیاں رنگ لا رہی ہیں

دنیا شاہد ہے کہ ان تینوں کاموں میں سے جب بھی کوئی کام مثبت انداز میں ہوا ہے، اس کے عالیشان اثرات اس امت نے دیکھے ہیں۔ یہ تبلیغ کا کام شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ برکت دی کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ الحمدللہ، آج دنیا میں شاید کوئی بھی اسلامی تنظیم، کوئی بھی اسلامی ادارہ اور کوئی بھی جماعت اتنے بڑے پیمانے پر اللہ کا پیغام نہیں پہنچا رہی جتنے بڑے پیمانے پر اللہ تعالیٰ اس جماعت سے کام لے رہا ہے حالانکہ اس کا نہ کوئی فنڈ ہے، نہ کوئی دفتر ہے، نہ کوئی صدر اور جنرل سیکرٹری ہے۔ نہ ناظم اطلاعات ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا عہدہ ہے۔

آج ساری تنظیموں میں عہدوں کے جھگڑے ہیں جبکہ یہاں کوئی عہدہ ہی نہیں۔ بس سب اللہ اور اس کے رسول کے غلام اور صحابہ کرام کے نقال ہیں۔ کندھوں پر سامان اٹھا کر لوگوں کی خوشامدیں کر رہے ہیں۔ اسی دعوت اسلام کا نتیجہ ہے کہ یہاں مسجدیں اور مدرسے نظر آ رہے ہیں۔ اگر یہ تبلیغ کا کام نہ ہوتا تو بظاہر یہاں کوئی مسجد اور مدرسہ وجود میں نہ آتا۔ یہاں کے مساجد و مدارس تبلیغ کے رہین منت ہیں۔ اب تو میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ انگلستان میں بڑے بڑے دارالعلوم بھی قائم ہو رہے ہیں۔ آپ کے اسی مرکز میں درس نظامی کی پوری تعلیم ہو رہی ہے۔ بری میں اس سے بھی ایک بڑا مدرسہ کام کر رہا ہے۔ ان کے فاضلین سے ملاقاتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ وہ البانیا میں بھی کام کر رہے ہیں اور انگلینڈ میں بھی بڑے اچھے انداز میں کام کر رہے ہیں۔ ابھی ایک

اور شہر میں جانا ہوا، وہاں بھی ایک بہت بڑا دارالعلوم قائم ہو چکا ہے۔ جس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ دل سے دعا نکلتی ہیں، الحمدللہ یہاں کے حفاظ و قراء، دعاۃ اسلام اور صحابہ کرام کی قربانیاں رنگ لا رہی ہیں۔

شاید انگلستان اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا مرکز ہو

اور یہاں میں ایک بات یہ بھی دیکھتا ہوں کہ یہاں کی مسجدیں مجھے پاکستان کی مسجدوں سے بھی زیادہ آباد نظر آتی ہیں اور یہاں کے اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے تو یہ بات دیکھتا ہوں کہ پاکستان کے اجتماعات میں اتنی داڑھیاں نظر نہیں آتیں، جتنی داڑھیاں یہاں نظر آتی ہیں۔ کبھی کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ نقشہ دنیا کو یہ نظارہ دکھانے والی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا اظہار شاید اس طرح کرے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ انگلستان سے ہو۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ ۝ إِنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ جو اللہ موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے ہاتھوں کرا سکتا ہے، وہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا مرکز انگلستان کو بھی بنا سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ تینوں کام اپنی اپنی شرائط اور اپنے اپنے موقع و محل کے ساتھ درست انجام دیتے رہیں۔

جہاد کے اثرات

الحمدللہ جس طرح تعلیم و تبلیغ کے اثرات ظاہر ہوئے ہیں، اسی طرح اگرچہ جہاد کی تحریک دیر سے شروع ہوئی لیکن افغانستان میں آپ نے دیکھا کہ جب تک وہ جہاد اللہ کے راستے میں اور شریعت کی حدود کے اندر ہوتا رہا، اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت لوگوں نے اپنی آنکھوں سے محسوس کی ہے۔ محسوس ہوتا تھا کہ فرشتے مدد کے لئے آسمانوں سے اتر رہے ہیں۔

الحمدللہ اس ناچیز کو بھی معرکہ ارغون کے اندر حصہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مجاہدین اسلام ہم جیسے کم ہمت لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ ہم نے اپنی

آنکھوں سے جو مناظر دیکھے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ عین گولوں کی بارش میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ سہانا وقت زندگی میں کبھی نہیں آیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے ایسے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں کہ بچھوؤں نے مجاہدین اسلام کی مدد کی ہے، پرندوں نے مجاہدین اسلام کی طرف سے جنگ کی ہے اور خود دشمن کے بموں نے مجاہدین اسلام کی مدد کی ہے۔

مولانا جلال الدین حقانی صاحب کا یہ واقعہ میں نے خود ان کی زبانی سنا تھا کہ دشمن نے ان کا محاصرہ کیا، بمبار طیاروں نے بم گرائے۔ یہ اپنے ساتھیوں کو لے کر سرنگ میں چھپ گئے، ایک اور بم گرا جس سے ایک پہاڑ کا ٹیلا سرنگ کے منہ پر آ گرا جس سے سرنگ بند ہو گئی۔ یہ کہتے تھے کہ اب ہمارے بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ہم سب کے سب لا الٰہ الا اللہ پڑھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد مزید بمباری ہوئی تو ایک بم سرنگ کے اوپر گرا جس سے سرنگ کے منہ پر پڑا ہوا ٹیلا ہٹ گیا۔ اس طرح کے اور بھی کئی واقعات ہیں جن میں سے کچھ واقعات میں نے اپنی کتاب میں نقل کر دیئے ہیں۔[1] لیکن جب یہ جہاد ختم ہو گیا اور اقتدار کی جنگ شروع ہوئی تو وہ بدترین صورت بھی سامنے آیا جو افغانستان میں بعد میں رونما ہوا۔

تینوں دین کے راستے ہیں

یاد رکھئے! تعلیم، تبلیغ اور جہاد یہ تینوں دین کے راستے ہیں لیکن ہر ایک کے لئے کچھ شرائط اور تفصیلات ہیں، جن کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رکھئے کہ خدا کیلئے یہاں انگلستان میں کوئی جہاد نہ شروع کر دینا۔ یہاں وہ زندگی گزارنی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی مکی زندگی تھی۔ البتہ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ یہاں وہ مشقتیں نہیں ہیں جو مکی زندگی میں تھیں۔ اگر کوئی یہاں جہاد

---

[1] اس کتاب کا نام ہے "جہاد افغانستان کے چند واقعات" ۔۔۔ جو "ادارۃ المعارف کراچی" سے شائع ہو چکی ہے۔

محمد عبداللہ میمن

شروع کرے گا تو یہاں دین کا کام نہیں ہو سکے گا۔

ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ان تینوں کاموں میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے تو بہت بڑی سعادت کی بات ہے، لیکن اگر کوئی تینوں کام نہیں کر رہا تو جس کام کو بھی کر رہا ہے اسے نعمت کبریٰ سمجھنا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ تینوں کام شریعت کی حدود میں، سنت کے مطابق، صحابہ کرام کے طریقے پر اور اخلاص کے ساتھ کئے جائیں تو یہ تینوں کام ہمارے کام ہیں۔ اگر کوئی مدرسہ چلا رہا ہے تو وہ بھی ہمارا کام کر رہا ہے۔ کوئی دعوت و تبلیغ میں پھر رہا ہے تو وہ بھی ہمارا کام کر رہا ہے اور اگر کوئی کسی شرعی جہاد میں اپنی جان کی بازی لگا رہا ہے تو وہ بھی ہمارا کام کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے ان کاموں میں شریعت کے مطابق لگنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۰

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا؟

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی

مقام: دارالحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

﴿کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے؟﴾

زیر نظر تحریر کوئی مستقل مضمون یا تقریر نہیں بلکہ مسلم شریف کی ایک حدیث کا درس ہے۔ حضرت مدظلہم نے اس حدیث سے تعلق رکھنے والے کئی مسائل کئی روز تک بیان فرمائے۔ اس تفصیلی درس کے ضمن میں حضرت مدظلہم نے ایک روز زیر نظر موضوع پر بھی روشنی ڈالی، افادۂ عام کے پیش نظر اس کا خلاصہ ہدیۂ قارئین ہے۔ اعجاز احمد غفر اللہ لہ

حدیث:

﴿عن ابی عمر رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ﴾

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۱۲۸)

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نماز قائم کیا کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔''

یہاں اسلام اور اہل اسلام پر ایک بہت بڑا اعتراض ہوتا ہے اور یہ اعتراض مستشرقین گزشتہ دو سو سال سے مسلمانوں پر کر رہے ہیں۔

مستشرقین کون ہیں؟

مستشرقین وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو تحقیق اور ریسرچ کے نام پر گمراہ کرتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ علوم شرقیہ کے اندر مہارت پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی نے مثلاً ہندو مذہب کے اندر مہارت پیدا کر رکھی ہے۔ کسی نے بدھ مت کے بارے میں اور کسی نے اسلام کے بارے میں مہارت پیدا کر رکھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان کے ہاں ان موضوعات پر تحقیقی کام ہوتا ہے۔ لیکن ان تحقیقات سے ان کا مقصد حق معلوم کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا، اعتراضات نکالنا اور ان اعتراضات کو اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلانا ان کا مقصد ہوتا ہے۔ گزشتہ دو سو سال سے وہ لوگ یہ کام کر رہے ہیں۔

مستشرقین کا اعتراض:

چنانچہ ان لوگوں نے اسلام پر جہاں اور بہت سے اعتراضات کیے ہیں، ان میں ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اسلام میں جہاد اس لیے مشروع ہوا ہے تاکہ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جائے۔ چنانچہ دنیا میں اسلام اپنی حقانیت اور دلائل کے ذریعے سے نہیں پھیلا۔ اسی طرح مسلمانوں کے اعلیٰ کردار اور اسلام کی اعلیٰ فطری تعلیمات کی کشش سے بھی نہیں پھیلا بلکہ اسلام کو تلوار کے ذریعے زبردستی پھیلایا گیا ہے۔ اس لیے اسلام سراسر تشدد پر مبنی ظالمانہ مذہب ہے جو لوگوں کو مذہبی آزادی سے روکتا ہے اور زبردستی انہیں اپنا پیروکار بناتا ہے۔

اگرچہ یہ پروپیگنڈہ گزشتہ دو سو سال سے چل رہا ہے لیکن آج کل یہ اپنے

عروج پر ہے۔ مغربی میڈیا زہر اگل رہا ہے اور ان کے بعض مفکرین تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ قرآن انسانیت دشمنی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے اندر غیر مسلموں کے بارے میں جگہ جگہ یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ "اُقْتُلُوْهُمْ"، "قَاتِلُوْهُمْ" وغیرہ، یہ قرآن ہی ہے جو مسلمانوں کو قتل و قتال پر ابھارتا ہے۔ لہٰذا اس کے اندر غیر مسلم اقوام کے لیے امن و امان نہیں ہے۔ اس سے شاید وہ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے "خطرے" کو اس وقت تک نہیں مٹایا جا سکتا جب تک کہ قرآن کی تعلیم کو نہیں مٹایا جائے گا۔

ان کے اعتراضات کی ظاہری دلیلیں:

ان کے اس پروپیگنڈے کی ایک دلیل بظاہر یہ حدیث بھی ہے کہ:

﴿أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ﴾ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

اس حدیث کو اگر قرآن کریم کی آیات اور قرآن و سنت کے دوسرے احکام و قواعد سے قطع نظر کر کے کوئی دنیا کو دھوکہ دینا چاہے تو یہ باور کرانے کی کوشش کر سکتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے تین کام زبردستی کرائے جائیں گے۔

(۱) کلمہ طیبہ کا اقرار۔

(۲) نماز کی پابندی۔

(۳) زکوٰۃ کی ادائیگی۔

جب تک دنیا کے لوگ یہ تین کام نہیں کریں گے، اس وقت تک ان سے جنگ جاری رہے گی۔

اسی طرح وہ یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا

لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ، فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ (التوبہ:۵)

"اور جب گزر جائیں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکین کو جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک میں پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ۔"

اس آیت کا حوالہ دے کر کوئی سیاق و سباق، اور دوسری آیات سے آنکھیں بند کر کے یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار جہاں کہیں بھی ملیں، انہیں قتل کیا جائے گا ہاں اگر وہ ایمان لے آئیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک تمام کفار کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام میں داخل نہیں ہو جائیں گے، اس وقت تک ان کی جان بخشی نہیں ہے۔

یہ اعتراض کم فہمی یا دھوکہ دہی پر مبنی ہے:

اس اعتراض کا جواب سمجھ لیجئے۔ یاد رکھئے کہ یہ حدیث ہو یا ابھی تلاوت کردہ آیت، جب بھی انہیں سیاق و سباق سے جدا کر کے پڑھا اور سمجھا جائے گا تو غلط نتائج نکلیں گے۔

قرآن مجید کی جس آیت پر انہوں نے اعتراض کیا یعنی فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ...... الخ اس کے بعد اگلی آیت یہ ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ﴾ (التوبہ:۶)

"اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر پہنچا دے اس کو اس کی امن کی جگہ۔"

اس اگلی آیت میں یہ بتلایا گیا کہ اگر کوئی مشرک آپ کے پاس آکر آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو۔ یہاں آنے سے اس کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ اللہ کا کلام سنے گا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ (پھر اس کو اس کی جائے پناہ تک پہنچاؤ) گویا یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ امن و امان کے ساتھ اس کے وطن واپس پہنچایا جائے۔

دیکھئے کہ یہاں یہ معاملہ اس شخص کے ساتھ کیا جا رہا ہے جو مسلمان نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ قتال سے بچنے کا ایک راستہ یہ بھی ہے کہ کافر اجازت طلب کر کے مسلمانوں کے ملک میں آ جائے۔ ایسے کافر کو اصطلاح میں "مستامن" کہتے ہیں جیسے آجکل دوسرے ممالک کے کافر ویزا لے کر ہمارے ملک میں آ جاتے ہیں تو ایسے کافروں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے اور ان سے جنگ ہرگز نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح سورۂ توبہ کی مذکورہ بالا آیت سے کچھ پہلے سورۂ انفال کے اواخر میں یہ ہے کہ:

﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾

(الانفال ٦١)

"اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر۔"

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کر لیں معلوم ہوا کہ کفار اگر اپنے کفر پر رہتے ہوئے مسلمانوں سے صلح کے طلبگار ہوں تو مسلمان ان سے صلح کر سکتے ہیں اور ایسی صورت میں بھی ان سے جنگ نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح اسی سورۂ توبہ میں ایک آیت یہ بھی ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صٰغِرُونَ﴾ (التوبہ: ۲۹)

''لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچا دین، ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہوکر۔''

''ید'' کے یہاں معنی ہیں ''طاقت'' اور عن ''سبب'' کے معنی میں ہے، تو معنی یہ ہیں کہ وہ ادا ئے جزیہ کو قبول کریں اسلام کی طاقت کی وجہ سے اور وَهُمْ صٰغِرُونَ کا مطلب امام شافعیؒ نے یہ بیان فرمایا ہے جسے تفسیر معارف القرآن میں بھی نقل کیا گیا کہ ''وہ مسلمانوں کے عام قانون کی پابندی کرلیں۔ (نہ کہ کسی شخصی قانون کی جسے ''پرسنل لاء'' کہا جاتا ہے، کیونکہ اسلامی ملک میں غیر مسلموں پر اسلام کے پرسنل لا کی پابندی نہیں ہوتی، پرسنل لاء میں وہ اپنے مذہبی قانون پر عمل کرنے میں آزاد ہوتے ہیں)۔ حاصل یہ ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں کے ملک میں رہیں اور مسلمان ملک کے عام قوانین کی پابندی کرتے ہوئے جزیہ ادا کریں تو بھی ان سے قتال نہیں کیا جائے گا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے جنگ کو روکنے والی کل چار چیزیں ہیں:

(۱) صلح　(۲) استیمان (اجازت لے کر مسلمانوں کے ملک میں آنا)

(۳) جزیہ (ایک قسم کا ٹیکس جو مسلم ملک کے غیر مسلموں سے زکوۃ کے بجائے لیا جاتا ہے، یعنی مسلمانوں سے سرکاری طور پر زکوۃ لی جاتی ہے اور غیر مسلموں سے جزیہ)۔

(۴) کلمۂ طیبہ (لا الٰہ الا اللّٰہ، محمد رسول اللّٰہ)

ان آیات سے یہ بات خود بخود واضح ہوگئی کہ قتال کا مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں ہے، اگر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا مقصود ہوتا تو پھر نہ کفار سے صلح کی اجازت، نہ استیمان کی اجازت ہوتی اور نہ جزیہ قبول کیا جاتا۔

جہاد کی اقسام:

لیکن وہ کفار جن سے نہ تو ہماری صلح ہے، نہ وہ امان لے کر ہمارے ملک میں آئے ہیں اور نہ وہ ہمارے ملک میں رہتے ہیں تو ہم سے جنگ کرنے میں وہ بھی آزاد ہیں اور ان سے جنگ کرنے میں ہم بھی آزاد ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جو ہم سے کسی قسم کی صلح و معاہدہ نہیں کر رہے، ان کے بارے میں اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ ان پر نظر رکھو، اگر محسوس ہو کہ یہ تمہارے لیے خطرہ بن رہے ہیں تو قبل اس کے وہ تمہارے لیے خطرہ بن جائیں، تم خود ان پر حملہ کر کے ان پر غلبہ حاصل کر لو، تاکہ یا تو وہ تم سے ترک جنگ کا معاہدہ کر لیں یا جزیہ دے کر تمہارے ملک میں پُرامن شہری بن کر رہنے لگیں، اس کا نام ''اقدامی جہاد'' ہے۔ اور جس وقت دشمن حملہ آور ہو جائے تو اس وقت جواب میں جو جہاد کیا جائے گا، اس کا نام ''دفاعی جہاد'' ہے۔ اسلام میں اقدامی جہاد کی بھی اجازت ہے اور دفاعی جہاد کی بھی۔

''اقدامی جہاد'' کی مثال غزوہ تبوک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ عیسائیوں کے لشکر جمع ہو رہے ہیں اور ان کا منصوبہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفیر عام کر دی اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ دشمن کو جب پتہ چلا تو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

اسلام سے روکنے کی کیا کیا کوششیں کی گئی ہیں۔ یہ کتاب درحقیقت مستشرقین کے سوال کا الزامی جواب ہے کہ تم تو کہتے ہو کہ اسلام زبردستی پھیلایا گیا، حالانکہ معاملہ برعکس ہے کہ اسلام سے لوگوں کو زبردستی روکا گیا اور اس کے لیے ان پر کتنے اور کیسے کیسے مظالم ڈھائے گئے ہیں۔

الحمدللہ ان بزرگوں نے اس موضوع پر بڑا کافی اور شافی کلام فرمایا ہے، اسے مطالعے میں رکھنا چاہیے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

شریعت وطریقت کا تلازم

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

مقام: بالٹی مور امریکہ

تاریخ: ۶ دسمبر [illegible]ء

ترتیب و عنوان: اعجاز احمد صمدانی

﴿شریعت وطریقت کا تلازم﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہٖ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا ۔ من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد ان سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ اجمعین. و سلم تسلیماً کثیراً کثیراً﴾

اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم○

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ○﴾

سب سے پہلا سوالیہ نشان:

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز اور میری محترم ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحبؒ نے مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ "کبھی رسمی اور فرمائشی تقریریں نہ کرنا۔" فرمائشی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ خطیب کے لیے موضوع مقرر کر دیا جائے کہ آپ کو اس موضوع پر تقریر کرنی ہے اور رسمی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ اس میں مقصود تقریر کرنا ہو بلکہ اس میں کچھ لطیفے، کچھ قصے، کچھ اشعار سنا دیئے اور کچھ آیات و احادیث کی تلاوت بھی کر دی۔ مقصد یہ ہے کہ سننے والوں کا کچھ وقت تفریح میں گزر جائے۔ ان دونوں قسموں کی تقریروں میں اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ حاضرین کی ضرورت کیا ہے۔"

چنانچہ میرے مرشد نے مجھے رسمی اور فرمائشی تقریروں سے منع کیا اور فرمایا کہ جہاں جاؤ وہاں دیکھو کہ زخم کہاں ہے؟ جہاں زخم ہو وہیں مرہم لگاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ زخم تو کہیں اور ہو اور تم مرہم کہیں اور لگاؤ۔ مخاطبین تو کسی اور بات کے محتاج ہیں اور تم دوسری باتیں کرتے رہو، اس طرح کرنے سے تمہاری محنت بھی اکارت جائے گی اور سننے والوں کا وقت بھی ضائع ہوگا۔

حضرت کی اس نصیحت کا اثر یہ ہے کہ جب کسی جگہ جانا ہوتا ہے تو سب سے پہلا سوالیہ نشان میرے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں جا رہا ہوں، وہاں کی ضرورت کیا ہے۔ آج ہمارے ایک بھائی نے میرے لیے یہ مشکل آسان کر دی۔ انہوں نے طریقت کے حوالے سے سوال کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ یہاں کے لوگ طریقت کے حوالے سے کچھ جاننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میرا خیال یہ ہے کہ اس موضوع پر قدرے تفصیل سے بات کر لی جائے۔

تقویٰ دل میں ہوتا ہے:

میں نے خطبے کے اندر آپ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

اس کا ترجمہ یہ ہے:

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور رہو سچوں کے ساتھ۔''

اس آیت میں ایمان والوں کو دو حکم دیئے گئے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم۔

(۲) سچوں کے ساتھ رہنے کا حکم۔

ان میں سے پہلے حکم (یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے حکم کا تعلق ظاہر سے نہیں بلکہ باطن سے ہے اس لیے اللہ کا ڈر دل میں پیدا ہوتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿التقوی ھٰھنا﴾

''اللہ کا ڈر یہاں ہوتا ہے۔''

گناہوں سے کیسے بچیں؟

البتہ جب دل میں اللہ کا ڈر پیدا ہو جائے تو ظاہر پر اس کا یہ اثر پڑے گا کہ ہمارے سارے ظاہری اعمال درست ہو جائیں گے۔ فرائض و واجبات پر عمل کرنا بھی آسان ہو جائے گا اور حرام و مکروہات کو چھوڑنا بھی آسان ہو جائے گا۔ بس بنیادی چیز ''اللہ کا ڈر'' ہے۔ ہم جتنے بھی گناہ کرتے ہیں، وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں سے اللہ کا ڈر نکل گیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حاصل یہ ہے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کے اس دور میں جہاں ہر طرف گناہ ہی گناہ کی دعوت ہے، ان حالات میں اپنے آپ کو گناہوں سے کیسے بچایا جائے۔ ہاتھوں کو گناہوں سے کیسے بچائیں، پاؤں کو گناہوں سے کیسے بچائیں، زبان کو کیسے بچائیں، آنکھ، کان اور دیگر

اعضاء کو گناہوں سے بچنے کی ہیں۔ ہر طرف فسق و فجور ہے، جونہی باہر نکلے گناہوں کی
دعوت دینے والے سارے منظر ہیں۔ کبھی آنکھ بہکتی ہے، کبھی کان، کبھی زبان سے گناہ
ہو جاتا ہے، کبھی ہاتھ سے۔ اور بازار کی طرف جاتے ہیں تو دغابازی اور دھوکہ دہی کا دور دورہ
پھیلا ہوا ہے، ملازمت اختیار کرتے ہیں تو کام چوری کا گناہ اپنی طرف دعوت دیتا
ہے، بازاروں میں جاتے ہیں تو بے پردگی اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ غرض ہر طرف گناہ
ہی گناہ کی دعوت ہے۔ ان حالات میں گناہوں سے بچنا بہت مشکل کام ہے۔

قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب یہ ہے کہ جب کسی کام کے کرنے کو کہا جاتا
ہے تو اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر خاص
شفقت اور عنایت ہے کہ وہ صرف حکم ہی نہیں دیتے بلکہ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ اے میرے
بندو! میرے اس حکم کو اس طرح پورا کرو گے تو آسانی سے پورا ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر وہ
طریقہ اختیار کر لیا جائے جو اللہ رب العالمین بتاتے ہیں تو دیکھنے میں وہ حکم خواہ کتنا ہی
مشکل نظر آ رہا ہو، اس پر عمل کرنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔

چنانچہ یہاں پر جب اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے یعنی گناہوں سے بچنے کا
حکم دیا جو بظاہر ایک مشکل حکم لگ رہا تھا تو اس کے ساتھ اس پر عمل کرنے کا ایک انتہائی
سہل طریقہ بتلا دیا۔ وہ یہ کہ

﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

"سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔"

"سچے لوگوں" سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان کے بھی سچے ہیں اور دل کے بھی۔
ان کا ظاہر بھی سچا ہے اور باطن بھی۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے ڈرنے
والے ہیں۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ تقویٰ والوں کے ساتھ رہنا
شروع کر دو، نیک ہو جاؤ گے۔ یہ ایسا حکیمانہ و نفسیاتی طریقہ ہے کہ انسانی تربیت کے
لیے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں۔

اب دیکھئے! ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ یہ نمازی لوگوں کا اجتماع ہے۔ مسجد سے تعلق رکھنے والوں کا اجتماع ہے۔ یہاں بیٹھ کر اگر کوئی شخص شراب پینا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے برعکس آپ غیر مسلموں کے کسی ریسٹورنٹ میں چلے جائیں یا کسی نائٹ کلب میں چلے جائیں وہاں یہ گناہ کرنا انتہائی آسان ہے۔ وہاں نماز پڑھنا چاہو تو یہ مشکل ہوگا۔ تو حاصل یہ نکلا کہ اگر اچھے لوگوں کے ساتھ رہو گے تو نیکی کرنا آسان ہو جائے گا، گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا اور اگر برے لوگوں کے ساتھ رہو گے تو گناہ کرنا آسان ہو جائے گا اور نیکی کرنا مشکل ہو جائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اگر تم اللہ والے بننا چاہتے ہو، متقی بننا چاہتے ہو، گناہوں سے بچنا چاہتے ہو تو نیک لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کر دو۔ میں آج اسی کے بارے میں مزید تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں۔

شریعت اور طریقت کا مفہوم

میں نے دوپہر عرض کیا تھا کہ کچھ اعمال ظاہرہ ہیں جنہیں ہمارے ظاہری اعضاء انجام دیتے ہیں اور وہ ہر ایک کو نظر آتے ہیں لیکن کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کو ہمارا دل انجام دیتا ہے، انہیں اعمال باطنہ کہا جاتا ہے جیسے تواضع، ایثار، اللہ کی محبت، آخرت کا خوف وغیرہ وغیرہ۔ ظاہری اعمال کو عام طور پر "شریعت" کہا جاتا ہے اور باطنی اعمال کو عام طور پر "طریقت" کہا جاتا ہے۔

ظاہری اعمال کا مدار باطن پر ہوتا ہے:

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ ظاہری اعمال سارے کے سارے مبنی ہوتے ہیں باطنی اعمال پر، اگر دل کے اعمال صحیح ہوں گے تو ظاہری اعمال بھی ٹھیک ہو جائیں گے لیکن اگر باطن خراب ہے تو ظاہری اعمال بھی درست نہیں ہوں گے مثلاً اگر کسی انسان کے اندر تکبر ہے تو وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرے گا، سخت

کلامی کرے گا، لوگوں کو گالیاں بھی دے گا اور بدتمیزی بھی کرے گا۔ بیوی بچوں کے ساتھ بھی سختی سے پیش آئے گا۔ اس کے برعکس اگر اس کے اندر تواضع اور انکساری ہوگی تو نرم انداز میں گفتگو کرے گا، ہر ایک کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئے گا۔ اگر باطن میں بخل کا مادہ ہے تو اس کے لیے جیب سے ایک ایک پیسہ نکالنا مشکل ہو جائے گا اور اگر اندر میں سخاوت کا مادہ ہوگا تو اللہ کی راہ میں خوب مال خرچ کرے گا۔

شریعت تھیوری ہے اور طریقت پریکٹیکل:

شریعت کے اعمال کتابوں میں پڑھائے جاتے ہیں، اور پڑھانے والے کا نام "استاذ" ہوتا ہے اور پڑھنے والے کا نام "طالب علم" ہوتا ہے جبکہ طریقت والے اعمال سکھائے جاتے ہیں۔ سکھانے والے کو "پیر" اور سیکھنے والے کو "مرید" کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں چیزیں سکھاتے تھے یعنی شریعت بھی سکھاتے تھے اور طریقت بھی سکھاتے تھے۔ چنانچہ بہت سے علماء بھی ایسے ہوتے ہیں جو شریعت کے بھی ماہر ہوتے ہیں اور طریقت کے بھی ماہر ہوتے ہیں۔ البتہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف طریقت کے ماہر ہوتے ہیں، اگرچہ وہ شریعت پر عمل تو کرتے ہیں لیکن اس کے اتنے ماہر نہیں ہوتے کہ اسے آگے پڑھا سکیں۔ اسی طرح بہت سے لوگ شریعت کے ماہر ہوتے ہیں، وہ طریقت پر عمل تو کرتے ہیں لیکن اس میں اتنے ماہر نہیں ہوتے کہ اسے آگے دوسروں کو سکھا سکیں۔

ایک بات اور سمجھئے! وہ یہ کہ شریعت کے مسائل آپ کتابوں میں پڑھ سکتے ہیں اور علماء سے پوچھ سکتے ہیں مثلاً نماز کا مسئلہ آپ نے کتاب میں پڑھ لیا، اگر سمجھ نہ آیا تو کسی عالم کے پاس جا کر پوچھ سکتے ہیں۔ لیکن طریقت کا معاملہ ایسا نہیں۔ طریقت کے مسائل اور اس کے اعمال کو کتابوں سے نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ ہی ان اعمال کو کتابوں سے سیکھا جا سکتا ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ کسی ماہر طریقت کی خدمت میں رہ کر عملی مشق کی جائے۔

گویا یوں کہا جا سکتا ہے کہ شریعت تھیوری (Theory) ہے اور طریقت پریکٹیکل (Practical) کالجوں میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ کلاس روم میں تھیوری پڑھائی جاتی ہے لیکن تجربے کے لیے لیبارٹری (Labortory) میں لے جایا جاتا ہے۔ اسی طرح شریعت اور طریقت کا معاملہ ہے۔ شریعت کو آپ استاد سے پڑھ کر حاصل کر سکتے ہیں لیکن طریقت کے لیے شیخ کے پاس کچھ عرصہ گزارنا پڑے گا۔

ایک نظیر:

اس کی ایک اور نظیر سمجھئے۔ مختلف کتابوں اور رسالوں میں مختلف کھانے بنانے کے طریقے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ مثلاً ان میں یہ بتایا جاتا ہے کہ کباب بنانے کا یہ طریقہ ہے، بریانی بنانے کا یہ طریقہ ہے، نہاری بنانے کا یہ طریقہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طریقے میں پوری تفصیلات موجود ہوتی ہیں۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کون سی چیز کتنی مقدار میں ڈالی جائے گی۔ اب مثلاً آپ نے بریانی بنانے کا طریقہ کسی کتاب سے پڑھ لیا کہ اس میں چاول اتنے ہوں گے، گوشت اتنا ہوگا، مصالحہ اتنا ڈالے گا، نمک اتنا ہوگا، پانی اتنا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ سب کچھ اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد از خود بریانی تیار کرنے لگے۔ تو کیا خیال ہے بریانی بن جائے گی؟! بریانی کیا بلکہ بریانی کا دلیہ تیار ہو جائے گا حالانکہ آپ نے کتاب کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور اس کی ہدایات پر پورا پورا عمل بھی کیا لیکن اس کے باوجود آپ سے بریانی نہیں پک سکی۔ کیوں؟ اس لیے کہ بریانی کا پکانا کتابوں سے نہیں سیکھا جاتا۔ اس کے سیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کسی ماہر بریانی پکانے والے کی شاگردی اختیار کریں۔ اس کی صحبت میں رہیں، اس کی ہدایات پر عمل کرتے رہیں۔ وہ آپ سے کہے گا کہ اتنا پانی ڈالو کچھ دیر بعد کہے گا کہ اچھا اب اتنے چاول ڈال دو۔ آنچ نیچے رکھو۔ ایسا کرو، ویسا کرو۔ جیسے جیسے وہ کہتا رہے گا، آپ کو ویسا ویسا کرنا پڑے گا۔ کبھی غلطی ہو جائے گی تو ڈانٹ بھی کھانی پڑے گی۔ غرضیکہ اگر آپ اسی طرح اس کے ساتھ لگے رہے تو چند روز میں دن میں آپ بہترین بریانی بنانے کے قابل ہو جائیں گے۔

طریقت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ مثلاً کسی کے دل میں "حسد" ہے۔ میں آپ کو حسد کی تعریف بتادوں اور یہ بھی بتادوں کہ اس کے دور کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ آپ کتاب پڑھ لیں گے لیکن اس سے آپ کا حسد دور نہیں ہوگا۔ تکبر کسے کہتے ہیں، اور اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ کتاب میں پڑھنے سے اور استاذ سے تکبر دور نہیں ہوگا۔ اس کے لیے کسی اللہ والے کی خدمت میں جا کر رہنا پڑے گا۔ شیخ ہدایات بھی دیتا رہے گا، روک ٹوک بھی کرتا رہے گا۔ رفتہ رفتہ یہ مرض دور ہو جائے گا۔

شیخ طریقت ماہر نفسیات ہوتا ہے:

شیخ طریقت دراصل نفسیات کا ماہر ہوتا ہے۔ وہ ایسے ایسے علاج بتاتا ہے کہ اس سے دل کی وہ بیماریاں آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہیں جو جنت کے راستے میں حائل ہونے والی ہیں، دینی اور اخلاقی اعتبار سے انسان کو ہلاک کر دینے والی ہوتی ہیں جیسے بخل، حسد، کینہ اور تکبر وغیرہ۔

اب میں آپ کو اپنی مثال بتاتا ہوں۔ میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے مجھے اور میرے بھائی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحبؒ سے بیعت کرایا۔ الحمد للہ، ہمارا ان کے ساتھ انیس سال تک تعلق رہا۔ ہفتے میں ایک مرتبہ ان سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ پھر انہوں نے ہم دو بھائیوں کے لیے ایک مجلس خاص طور پر پیر کے دن رکھی۔ البتہ بعد میں دوسرے لوگ بھی اس میں آنا شروع ہو گئے۔

اس زمانے میں مختلف جلسوں اور ریڈیو پر ہماری تقریریں ہوتی تھیں۔ جلسوں کی تقریر کا اشتہار بعض مرتبہ اخبارات میں بھی آتا تھا، پوسٹر بھی لگے ہوتے تھے۔ بعض مرتبہ ہمارے مضامین بھی اخبارات میں چھپ جاتے تھے۔ یہ سب ہماری نظر میں اشاعت دین کا کام تھا لیکن ہمارے مرشدؒ نے ہم سے ایک مرتبہ فرمایا کہ بھائی! آپ

تقریریں نہ کیا کریں۔ آپ جلسوں میں نہ جایا کریں۔ ذہن میں فوراً یہ سوال پیدا ہو کہ یہ کیوں؟ لیکن حضرت کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ مرید کا کام یہ ہے کہ شیخ جو ہدایت دے، اس پر چوں و چرا نہ کرے۔

شاگرد اور مرید میں فرق:

ایک مزید بات یاد آ گئی۔ وہ یہ کہ شاگرد اگر اپنے استاذ سے سوال و جواب اور چوں و چرا نہ کرے تو وہ پرلے درجے کا بیوقوف ہے لیکن طریقت میں مرید اگر چوں چرا کرے گا تو پرلے درجے کا بیوقوف ہوگا چنانچہ فارسی کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ:

شاگردیکہ چوں و چراں نہ کند

و مریدیکہ چوں و چراں کند ہر دو

را بچراگاہ باید فرستاد

''جو شاگرد چوں و چراں نہ کرے اور جو مرید چوں و چراں کرے، ان دونوں کو چراگاہ میں بھیج دینا چاہیے (کیونکہ یہ آدمی نہیں بلکہ جانور جیسے ہیں)۔''

شاگرد کا کام تو سوال کرنا ہے۔ اگر وہ سوال نہیں کرے گا تو اُسے کبھی پختہ علم حاصل نہیں ہوگا مثلاً میڈیکل کے طالبعلم نے استاذ سے سبق پڑھا، فارمولا آدھا سمجھ میں آیا، آدھا نہیں آیا لیکن جو سمجھ میں نہیں آیا، وہ اس نے استاد سے پوچھا بھی نہیں تو ایسا طالبعلم کبھی ماہر ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ لیکن یہی شاگرد اگر بیمار پڑ کر ہسپتال پہنچ گیا اور ڈاکٹر نے اس کے لیے دوائی تجویز کی اور کہا کہ فلاں دوا فلاں وقت کھاؤ، فلاں انجکشن لگواؤ اور فلاں فلاں پرہیز کرو تو اگر وہاں یہ ڈاکٹر سے پوچھے گا کہ آپ نے جو فلاں فلاں دوا تجویز کی ہے، اس کی دلیل بھی بتادیں اور فلاں پرہیز کی وجہ بھی سمجھادیں تو ڈاکٹر صاحب اس کو وہیں سے رخصت کر دیں گے کہ یہ سوالات آپ میڈیکل کالج میں تو کر سکتے ہیں، ہسپتال میں نہیں کر سکتے۔

اسی طرح استاذ سے تو شاگرد پوچھتا ہے لیکن شیخ اگر اپنے مرید کو کسی کام کے کرنے کا یا کسی کام سے رکنے کا مشورہ دیتا ہے تو مرید کو اس کی وجہ پوچھنے کا حق نہیں۔ لہٰذا جب حضرت نے ہمیں تقریریں کرنے سے منع کر دیا تو ہم خاموش ہو گئے۔

جلسوں والے آئے تو ان سے معذرت کر دی، ریڈیو والے آئے کہ فلاں تاریخ کو آپ کی تقریر ہونی تھی، تشریف لائیں لیکن حضرت کی طرف سے اجازت نہ ہونے کی وجہ سے ان سے بھی معذرت کرنا پڑی۔ اخبارات میں مضامین بھیجنا بھی بند کر دیئے بلکہ اگر ان کا مطالبہ بھی آیا تو انکار کرنا پڑا۔ اب ذہن میں یہ آتا تھا کہ حضرت ان نیک کاموں سے روک رہے ہیں تو اس کی کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ لیکن وہ حکمت کیا تھی، دس سال تک ہمیں معلوم نہ ہو سکی۔

دس سال بعد حکمت معلوم ہوئی:

دس سال بعد ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے جلسوں اور ریڈیو پر تقریر کرنے سے اس لیے روکے رکھا کہ ابھی آپ کا "بلوغ" نہیں ہوا۔ جب "بلوغ" ہو جائے گا تو پھر کسی کے روکے بھی نہیں رکو گے۔ یہ فرما کر اندر کمرے میں تشریف لے گئے اور خطوط کا ایک ڈھیر اٹھا کر باہر لائے اور فرمایا کہ یہ سارے کے سارے خطوط شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے ہیں۔ ان میں سے ہر خط کے اندر یہ بات ضرور لکھی ہے کہ مجھے بڑی خوشی ہے کہ یہ دونوں صاحبزادے (میں اور مولانا تقی عثمانی) آپ کی زیر تربیت ہیں۔ میری درخواست ہے کہ آپ ان دونوں پر خصوصی توجہ فرمائیں۔ چونکہ یہ بڑے باپ کے بیٹے ہیں، اس لیے مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کے دلوں میں تکبر پیدا نہ ہو جائے اس لیے اس پہلو کا خصوصیت سے خیال رکھیں۔

یہ خطوط دکھانے کے بعد فرمایا کہ مولوی صاحب! میں نے آپ کو جلسوں وغیرہ میں تقاریر کرنے اور اخبارات میں مضامین لکھنے سے اس لیے منع کیا تھا کہ کہیں آپ کے

اندر شہرت کا شوق نہ پیدا ہو جائے۔ خدانخواستہ اگر آپ کے اندر شہرت کا شوق پیدا ہو گیا تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔

اس مثال سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ شیخ اپنے مریدوں کا علاج کس طرح کرتا ہے۔ دراصل مرشد یہ دیکھتا ہے کہ کون سی بیماری مرید میں موجود ہے یا کون سی بیماری کا خطرہ ہے۔ پھر اس کے علاج یا سدِ باب کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کرتا ہے۔

کسی مرید کے بارے میں مثلاً حسد کا خطرہ ہوتا ہے تو اس کے حسد کا علاج کرتا ہے، کسی کے بارے میں بخل کا خطرہ ہوتا ہے تو اس کے بخل کا علاج کرتا ہے۔ ہمارے بارے میں تکبر کا خطرہ تھا تو ہمارا اس طرح علاج کیا۔ گویا طریقت گناہوں اور باطنی بیماریوں سے بچنے کی عملی کوشش اور پریکٹیکل کرانے کا نام ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس تفصیل سے شریعت اور طریقت، استاد و شاگرد اور مرشد و مرید کا فرق سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ باقی باتیں پھر کبھی سہی۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

﴿سوالات وجوابات﴾

حضرت مدظلہم کے خطاب کے بعد سامعین نے مختلف طرح کے دینی سوالات پوچھے، جن کے حضرت مدظلہم نے ان کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ فائدہ قارئین کے لیے وہ سوالات وجوابات بھی جمع کیے جارہے ہیں۔

کیا چاروں فقہی مذاہب کو جمع کر کے ایک مذہب بنایا جا سکتا ہے؟

سوال:

کیا یہ ممکن ہے کہ چاروں فقہی مکاتب کو ملا کر ایک فقہ کر دی جائے تاکہ عام مسلمانوں کے لیے آسانی پیدا ہو جائے اور وہ کنفیوژن کا شکار نہ ہوں۔

جواب:

جی ہاں، عقلاً بھی ممکن ہے اور شرعاً بھی ناجائز نہیں ہے۔ لیکن اس کے لیے ایسے امام کی ضرورت ہے جو چاروں اماموں سے زیادہ علم رکھنے والا ہو۔ بظاہر جب امام مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے تو وہ یہ کام کریں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح چار فقہی مذہب پیدا ہونے میں کنفیوژن کی کوئی بات ہی نہیں۔ اس کی مثال سمجھ لیجیے۔ فرض کیجیے چار بھائی ہیں اور چاروں بیمار ہیں اور مختلف ڈاکٹروں سے علاج کرا رہے ہیں تو صاف بات یہ ہے کہ جو بھائی جس ڈاکٹر کا علاج کرا رہا ہے، اس کی پابندی کرے۔ ان شاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ اگرچہ ہر ڈاکٹر کی بتائی ہوئی دوا دوسرے ڈاکٹر کی دوا سے مختلف ہو سکتی ہے لیکن ہر بھائی اگر صرف اپنے ہی ڈاکٹر کی بتلائی دوا استعمال کرے گا تو کوئی کنفیوژن پیدا نہیں ہوگا۔ ہاں، کنفیوژن اس وقت پیدا ہوگا جب ایک بھائی اپنے ڈاکٹر کی دوا بھی کھائے اور دوسرے کی دوا بھی کھالے یا اپنی دوا چھوڑ کر دوسرے کی دوا کھائے یا جو پرہیز ڈاکٹر نے ایک بھائی کو بتلایا ہے، وہ اس

پرہیز کو چھوڑ کر اس پرہیز کو اختیار کر لے جو اس کے بعد کی کو بتلایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کوئی تشویش کی بات نہیں۔

اسی طرح اگر ہر آدمی اپنے اپنے امام کی تقلید پر عمل کرتا رہے تو کوئی گڑبڑ نہیں ہوتی، گڑبڑ اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب آدمی یہ کہے کہ میں جس امام کی تقلید پر عمل کر رہا ہوں، فلاں شخص بھی اسی امام کی تقلید پر عمل کرے۔ چاروں امام برحق ہیں۔ ان میں سے جو جس کی پیروی کرے گا، انشاء اللہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ لہٰذا اس میں تشویش کی کوئی بات نہیں۔

نماز میں پاؤں ملانے کا حکم

سوال:

نماز کے اندر پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہونا چاہیے یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں بتائیں۔

جواب:

پہلے یہ سمجھ لیں کہ قرآن کریم یا احادیث میں کہیں یہ نہیں آیا کہ ایک نمازی دوسرے کے پاؤں کے ساتھ اپنا پاؤں ملا کر کھڑا ہو جائے۔ مل کر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لائن میں ہو: کہ صف سیدھی ہو جائے۔ جس طرح شانے سے شانہ ملانے کا حکم آیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل ملا دو (اور یہ تو ممکن بھی نہیں) بلکہ مراد یہ ہے کہ سیدھ میں رکھو۔

ہیرے پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال:

ہیرے (Diamond) پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ ہے تو کتنی ہے؟ نہیں ہے تو کیوں نہیں؟

جواب:

اگر ہیرا تجارت کے لیے نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ سونا خواہ تجارت کے لیے ہو یا پہننے کے لیے دونوں صورتوں میں اس پر زکوٰۃ ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ ہیرے پر زکوٰۃ کیوں نہیں تو اس کا نہایت دانشمندانہ جواب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں کی۔ ہم تو حکم کے پابند ہیں، جس طرح اللہ کا حکم ہوگا، اسی طرح اس کی پیروی کریں گے۔

قصر نماز کتنی ہے؟

سوال:

قصر نماز کتنی ہے، دو یا چار؟

جواب:

قصر نماز میں چار رکعت والی نماز کی دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

کیا کسی ایک امام کی تقلید ضروری ہے؟

سوال:

کیا چاروں ائمہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرنا ضروری ہے؟

جواب:

یہ سوال بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ اس کا تفصیلی جواب سمجھ لیجیے۔ قرآن مجید نے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے سے منع کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواہشات نفس کی پیروی کرنا حرام ہے۔ اور اس حرام سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک امام کی تقلید کی جائے۔ ایسا نہ کیا جائے کہ کچھ باتوں میں امام کی پیروی کر لی، کچھ دوسری باتوں میں

دوسرے امام کی تقلید کریں۔ اگر ایسا کرنے کی اجازت دی گئی تو لوگ خواہشات نفس کی پیروی کریں گے کہ اپنی مرضی اور خواہش کا مسئلہ تلاش کریں گے، وہ جہاں بھی مل جائے، اس پر عمل کریں گے۔ اور چونکہ ایسا کرنا حرام ہے اس لیے کسی ایک امام کی پیروی کرنا ضروری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی ایک امام کی پیروی نہ کرنے سے بعض مرتبہ ایسی صورت حال بھی پیش آ سکتی ہے کہ آدمی کا عمل شرعاً بالکل معتبر نہ رہے حالانکہ وہ شخص اپنے طور پر اسے درست سمجھ رہا ہو مثلاً امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر جسم کے کسی حصے سے خون نکل کر ذرا سا بہہ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کے برعکس ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت کو حائل کے بغیر چھوا تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا وضو ٹوٹ گیا جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔

اب ایک شخص سے یہ دونوں کام ہو گئے۔ یعنی اس کا خون بھی بہا اور اس نے بغیر حائل کے کسی عورت کو بھی چھوا۔ وہ کہتا ہے کہ آج سردی بہت ہے وضو کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ ایسا کر لیتا ہوں کہ خون کے معاملے میں امام شافعیؒ کا مسلک اختیار کر لیتا ہوں اور عورت کو چھونے والے مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کر لیتا ہوں لہٰذا بغیر وضو کیے نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اگر یہ شخص ایسا کرے گا تو اس کی نماز کسی کے نزدیک بھی درست نہیں ہوگی حالانکہ وہ یہ سمجھے گا کہ میں یہ کام صحیح کر رہا ہوں۔

اس کو ایک نظیر کے ذریعے سے بھی سمجھ لیجئے۔ آپ ایک ڈاکٹر سے علاج کرا رہے ہیں۔ لیکن اسی وقت میں اسی مرض کا علاج کسی دوسرے ڈاکٹر سے شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ دوائیں ایک ڈاکٹر نے بتا رکھی ہیں، کچھ دوسرے نے بتا رکھی ہیں۔ آپ اپنی مرضی سے ان میں تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں کہ یہ شربت تو فلاں ڈاکٹر کا اچھا رہے گا اور گولیاں فلاں ڈاکٹر کی بہتر رہیں گی تو خود ہی سوچئے کہ اپنی مرضی کی ایسی تبدیلیوں کا کیا

انجام ہوگا۔ ایسا ہی معاملہ اس شخص کا ہے جو اپنے آپ کو ایسا آزاد کرنا چاہتا ہے کہ جس کو چاہا اختیار کرلیا تو درحقیقت وہ نہ اللہ کی پیروی کر رہا ہے نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور نہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بلکہ وہ تو سیدھا سادا شیطان کی اور اپنے نفس کی پیروی کر رہا ہے جس سے قرآن نے صاف منع کیا ہے۔

باہمی ناراضگی اور عداوت کا حکم

سوال:

میں حج کے مبارک سفر پر جا رہا ہوں لیکن میری اپنے ایک دوست کے ساتھ کسی بات پر ناراضگی ہوگئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ سفر حج پر جانے سے پہلے معافی تلافی کر لوں لیکن میرا بھائی کہتا ہے کہ کہیں لکھا ہوا ہے کہ سفر حج سے پہلے ناراض لوگوں کو منایا جائے۔ براہ مہربانی ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب:

آپ نے بہت اچھا سوچا ہے۔ حج پر جانے سے پہلے راضی نامہ کر لینا چاہیے۔ مسلمانوں کے درمیان ناراضگی اور عداوت و دشمنی سخت حرام ہے۔ اتنی سخت حرام ہے کہ لیلۃ القدر میں سب لوگوں کی بخشش ہو جاتی ہے لیکن ایسے دو لوگوں کی بخشش نہیں ہوتی جو ایک دوسرے سے عداوت رکھتے ہوں۔

ویسے بھی حج پر جانے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کر لینی چاہیے اور توبہ کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ اگر کسی کے ساتھ ناراضگی چل رہی ہو تو معافی تلافی کر لی جائے۔

ایک اور بات آپ کی خدمت میں عرض کردوں۔ وہ یہ کہ راضی نامے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنی مونچھیں نیچی کرلو۔ اگر آپ یہ چاہیں گے کہ دوسرے کی مونچھیں نیچی ہوں، میری اونچی رہیں تو صلح نہیں ہوگی کیونکہ وہ بھی یہی چاہے گا کہ میری مونچھیں اونچی رہیں اور دو متکبروں میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا۔ اتحاد و اتفاق کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایک فریق مونچھیں

نیچی کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ﴾

''جو شخص اللہ کے لیے اپنے آپ کو نیچے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتا ہے۔''

آپ بھی اختیار کیجیے ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں بلندی عطا فرمائے گا۔

پیر کی بے چوں و چراں پیروی کیوں؟

سوال:

آپ نے اپنی تقریر کے دوران کہا ہے کہ طریقت میں سوال نہیں کرنا چاہیے یعنی اگر پیر نے کچھ کہا ہے تو سوال نہیں کرنا چاہیے۔ کیا شریعت میں اس کی کوئی دلیل ہے۔

جواب:

قرآن مجید میں ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور تم میں جو امر والے ہیں ان کی۔''

''اولوالامر'' سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں لیکن ہمارے بزرگوں نے جس کو اختیار کیا اور تفسیر معارف القرآن میں ہمارے والد ماجدؒ نے جس کو بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ نظم حکومت میں اولوالامر سے مراد حکام ہیں اور شرعی مسائل میں علماء اور اللہ والے ہیں تو جس کو آپ نے اپنا مرشد بنایا ہے، بے چوں و چراں اس کی پیروی کریں۔

خواتین کے لیے مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال:

کیا خواتین کے لیے مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب:

اس کا جواب ذرا تفصیل سے سمجھ لیجئے۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی میں خواتین نماز کے لیے آیا کرتی تھیں اور طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مرد آگے ہوتے تھے، ان کے پیچھے بچے اور سب سے آخر میں خواتین۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"عورتوں کے لیے افضل نماز وہ ہے جو اپنے گھر میں پڑھیں اور گھر میں بھی صحن کے مقابلے کمرے کے اندر نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔"

یہ بات اس وقت فرمائی جب عورتیں مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے لیے حاضر ہوتی تھیں جس میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں اس وقت امامت بھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ اس کے باوجود فرمایا کہ عورتوں کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ گھر میں نماز پڑھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو روکا نہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتیں مسجد آئیں گی تو اسلام کے احکام براہ راست سیکھ سکیں گی۔ اس وجہ کے پیش نظر اگرچہ منع نہیں کیا لیکن ترغیب اس بات کی دی کہ عورتیں گھر میں نماز پڑھیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ خاتون اگر گھر میں نماز پڑھے تو اس کو مسجد نبوی جتنا ثواب ملتا تھا، اس سے زیادہ ثواب مدینہ طیبہ کے اندر گھر میں نماز پڑھنے پر ملتا۔

اس کے ساتھ ساتھ دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو چند شرطوں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دی مثلاً یہ کہ وہ راستے کے بیچ میں چل کر

نہ آئیں، بلکہ راستے کے کنارے کنارے سمٹ کر چلیں۔ دوسرے یہ کہ بن سنور کر نہ نکلیں۔ تیسرے یہ کہ پردے کے ساتھ نکلیں۔ چوتھے یہ کہ خوشبو لگا کر نہ نکلیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس زمانے میں عورتوں نے جو طریقہ اختیار کر لیا، اگر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا جاتا جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات اس زمانے میں فرمائی جب صحابہ کرام کی ایک کثیر تعداد حیات تھی۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دور ہی میں عورتوں نے وہ پابندیاں چھوڑ دی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عائد کی تھیں حالانکہ صحابہ کرام کا زمانہ وہ ہے کہ جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم﴾

"سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے اس کے بعد اس سے ملا ہوا دور ہے اور اس کے بعد اس سے ملا ہوا دور ہے۔"

تو صحابہ کرام کا دور "خیر القرون" کہلاتا ہے، اس زمانے میں کچھ عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرمانا پڑا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کا یہ حال دیکھ لیتے تو انہیں مسجد میں آنے سے منع کر دیا جاتا۔ کچھ عرصے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ آج تک اسلامی ممالک میں یہی ہو رہا ہے کہ خواتین نماز کے لیے مسجدوں میں نہیں آتیں البتہ مسجدوں میں عورتوں کے لیے نماز کی جگہ رکھ دی جاتی ہے تاکہ اگر وہ شہر میں کہیں سفر کے لیے جا رہی ہیں (اور شہر بھی بڑے بڑے ہیں) اور راستے میں کہیں نماز کا وقت ہو جائے تو وہ وہاں نماز پڑھ لیں۔

لیکن یہاں امریکہ اور یورپ کے حالات دیکھ کر میرا خیال یہ ہو رہا ہے (یہ میرا

فتوی نہیں، محض خیال ہے) کہ اگر یہاں کے ماحول میں ہم خواتین کو محرموں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دے دیں اور ان شرائط کی پابندی بھی کی جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لگائی تھی تو امید ہے کہ اس سے کوئی بڑی خرابی پیدا نہیں ہوگی اور ان شاء اللہ ایسا کرنا ناجائز بھی نہیں ہوگا۔

یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہماری خواتین کے پاس یہاں دین سیکھنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ مسجد میں آنے سے انہیں دین سیکھنے کا کچھ موقع مل جائے گا۔

ملازمت یا تجارت کی غرض سے امریکہ میں رہائش کا حکم

سوال:

اگر کوئی شخص ملازمت یا تجارت کی غرض سے امریکہ میں رہائش اختیار کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:

جائز ہے بشرطیکہ شریعت پر عمل کر سکے ہاں اگر اسے خطرہ ہو کہ یہاں رہ کر وہ دین پر عمل نہیں کر سکے گا یا اس کے بیوی بچے اس پر عمل نہیں کر سکیں گے تو ایسی صورت میں یہاں رہنا جائز نہیں ہوگا۔

موجودہ زمانے کے یہودی و عیسائی اہل کتاب ہیں یا نہیں؟

سوال:

کیا اس زمانے کے یہودی اور عیسائی اہل کتاب ہیں یا نہیں؟

جواب:

یہ سوال اس لیے کیا گیا ہے کہ اسلام نے اہل کتاب کا ذبیحہ کھانے اور ان کی

عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے تو اگر ہم ان کو اہل کتاب تسلیم کر لیں تو ان کا ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہو جائے گا۔

جواب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائیوں میں سے بہت سے لوگ تو وہ ہیں جو محض خاندانی نسبی طور پر اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں۔ ان کے عقیدے یہودیت یا عیسائیت والے نہیں ہیں چنانچہ ان میں سے بہت سارے ایسے ہیں جو خدا کو ہی نہیں مانتے۔ ایسے لوگ درحقیقت بے دین ہیں لہٰذا ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز نہیں اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

لیکن اگر یہودی اور عیسائی اپنے مذہب پر قائم ہیں تو ان کا ذبیحہ حلال ہوگا بشرطیکہ ذبح کرتے وقت ان شرائط کی پابندی کریں جو ان کے مذہب میں مقرر کی گئی ہیں۔ ہماری معلومات یہ ہیں کہ یہاں یہودی تو اپنے مذہب کے مطابق ذبح کرتے ہیں (اسی کو کوشر کہتے ہیں) اور عیسائی اپنے مذہب کے مطابق ذبح نہیں کرتے۔

صحیح مرشد کی پہچان

سوال:

صحیح مرشد کی پہچان کیا ہے؟ کس کو اپنا مرشد بنایا جائے؟

جواب:

مرشد کی مثال ڈاکٹر کی ہے۔ جس ڈاکٹر کو حکومت کی طرف سے لوگوں کا علاج کرانے کی اجازت ملی ہو اس سے علاج کرانا تو درست ہے لیکن جس ڈاکٹر کو حکومت نے علاج کرنے کی اجازت نہ دی ہو اس سے علاج کروانا عقلمندی نہیں۔ اسی طرح ایسا شخص جس کا مرشد یہ کہتا ہے کہ اب یہ تربیت حاصل کر چکا ہے اور دوسروں کا علاج کر سکتا ہے تو وہ اُسے اپنی طرف سے خلیفہ بناتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے اس کا مرشد کی

طرف سے دوسروں کی تربیت کرنے کی اجازت مل گئی تو جس شخص کو اس کا شیخ اس طرح کی اجازت دے دے تو اس کے لیے دوسروں کو بیعت کرنا جائز ہے اور دوسروں کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اُسے اپنا مرشد بنائیں۔

لیکن یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ آج کل سجادہ نشینی کا ایک سلسلہ بھی چل پڑا ہے۔ باپ پیر تھا، اس کے مرید بھی تھے، اس کا انتقال ہوا تو بیٹا اس کے جانشین بن گیا، حالانکہ بسا اوقات بیٹا شخص دین پر عمل کرنے والا نہیں ہوتا، تو ایسے لوگوں کے ہاتھ پر بیعت کرنا بالکل جائز نہیں۔

گویا صحیح مرشد ہونے کے لیے بنیادی طور پر دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) اُسے اپنے شیخ سے اجازت ملی ہوئی ہو۔

(۲) وہ شریعت پر عمل کرنے والا ہو۔

ایک وقت تین طلاقیں دینے کا حکم

سوال:

شوہر نے بیوی سے ناراضگی کی بنیاد پر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دیں تو کیا اس عورت پر تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب:

آج کل ایک مشکل تو یہ ہوگئی ہے کہ جب بھی بیوی کو طلاق دیتے ہیں تو تین طلاقیں ہی دیتے ہیں، حتیٰ کہ اب یہاں تک ہو گیا ہے کہ شوہر کو خود لکھنا نہیں آتا، وہ عرضی نویس کے پاس جا کر کہتا ہے کہ مجھے طلاق لکھ دو، وہ بھی تین طلاقیں لکھتا ہے۔ پھر اس سے دستخط کروالیتا ہے یا انگوٹھا لگوالیتا ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا ناجائز ہے۔ ایک طلاق سے کام چل سکتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ عدت کے اندر اگر رجوع کرنا چاہے گا تو رجوع کر سکتا

ہے۔ دوسری طلاق کے بعد بھی یہی اختیار رہتا ہے لیکن تین طلاقیں دینے کے بعد یہ اختیار نہیں رہتا حتیٰ کہ تین طلاقیں دینے کے بعد دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دینا کتنا خطرناک ہے اور گناہ ہے لیکن یاد رکھئے جب تین طلاقیں دے دی جائیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ میرے ہاتھ میں پستول ہے اور سامنے ایک آدمی ہے۔ اگر میں اس کو ایک گولی ماروں گا تو ایک لگے گی، تین ماروں گا تو تین لگیں گی۔

دوسرے شیخ کی بیعت کرنے کا حکم

سوال:

اگر شیخ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ ضروری ہے کہ دوسرے شیخ کی بیعت کی جائے یا پہلے ہی شیخ کی تعلیمات کو جاری رکھا جائے؟

جواب:

اگر مرشد کا انتقال ہو جائے تو کسی دوسرے مرشد سے بیعت کرنا واجب تو نہیں البتہ کسی شیخ سے اپنا اصلاحی تعلق ضرور قائم کر لینا چاہیے۔

داڑھی کا شرعی حکم اور اس کی مقدار

سوال:

داڑھی رکھنے کا کیا حکم ہے اور اس کی مقدار کیا ہے؟

جواب:

جہاں تک داڑھی رکھنے کا تعلق ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بار بار حکم دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

وَاعْفُوا اللُّحٰی

"داڑھیوں کو بڑھاؤ"

اور شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ یہ کرو تو وہ واجب ہو جاتی ہے۔ لہٰذا داڑھی رکھنا واجب ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ داڑھی کی مقدار کیا ہے تو بات یہ ہے کہ حدیث کی تفسیر حدیث سے اور صحابہ کرام کے عمل سے ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کے اطراف سے کچھ بال لیا کرتے تھے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ داڑھی کے کچھ بال کاٹنے کی گنجائش ہے۔ لیکن کتنی کاٹنے کی گنجائش ہے، یہ بات اس حدیث سے معلوم نہیں ہوتی۔

ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر کا واقعہ ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ ان کا خاص وصف یہ ہے کہ ان کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ایسی سنتوں پر عمل کرنے کا بھی بہت اہتمام تھا جو سنن عادیہ کہلاتی ہیں یعنی جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کے طور پر نہیں کیا بلکہ اسے اپنی عادت میں شامل کر لیا۔

ان کا یہ عمل دیکھا گیا کہ آپ اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر قینچی سے کاٹ دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ ثابت ہے کہ آپ اپنی داڑھی سے کچھ لیا کرتے تھے۔ اس کی مقدار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل سے ثابت ہوئی۔ اس بنیاد پر علماء کرام نے فرمایا کہ داڑھی کو کاٹنا اس حد تک جائز ہے کہ مٹھی سے کم نہ ہو۔

داڑھی کی حدود

سوال:

داڑھی کی حدود کیا ہیں؟

جواب:

داڑھی کو عربی زبان میں "لحیہ" کہا جاتا ہے اور "لحیہ" نیچے کے جبڑے کو بھی کہتے ہیں لہٰذا نیچے کے جبڑے کے مقابلے میں جو بال ہیں، وہ داڑھی میں شامل ہیں۔

اجتماعی قرآن خوانی کا حکم

سوال:

اجتماعی قرآن خوانی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:

کسی روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کے دور میں لوگ جمع ہو کر قرآن کریم ختم کرتے ہوں اور پھر اس کا ایصال ثواب کرتے ہوں اس لیے اس کا اہتمام نہیں کرنا چاہیے البتہ اگر کہیں میت ہوگئی اور لوگ جمع ہوگئے تو بجائے اس کے کہ وہ فارغ بیٹھے رہیں یا ادھر ادھر کی باتیں کریں، اگر تلاوت قرآن کرکے ایصال ثواب کرلیں تو یہ زیادہ بہتر ہے اور اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ پورا قرآن مجید ختم کیا جائے بلکہ جس کو جتنی توفیق ہو جائے، وہ اتنا پڑھ کے ایصال ثواب کردے۔

سالگرہ منانے کا حکم

سوال:

برتھ ڈے (سالگرہ) منانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:

ہمارے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سالگرہ اس خوشی میں مناتے ہیں

عالمِ اسلام کے حالات
ایک اجمالی جائزہ

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام : جدہ (جمعہ)
ترتیب و عنوانات : اعجاز احمد صمدانی

﴿عالم اسلام کے حالات ایک اجمالی جائزہ﴾

خطبہ مسنونہ

﴿الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا . من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له و نشهد أن لا اله إلا الله وحده لاشريك له ونشهد أن سيدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله و صحبه وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.﴾

اما بعد:

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمٰن الرحيم

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

الکتٰب والحکمۃ ○ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین ○ (آل عمران: ۱۶۴)

امید افزا صورت حال

بزرگانِ محترم، حضرات علماء کرام اور معزز سامعین!

مجھے آپ کے اس شہر [illegible] میں آنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ یہاں قریب سے گزرا تو ہوں لیکن اس سے پہلے یہاں رکنے کا موقع نہیں ملا۔ آج کے سفر میں یہاں آنے کے بعد چند گھنٹوں میں جن حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں وہاں سے ایک امید افزا صورت سامنے آئی کہ الحمدللہ، اس علاقے میں دین کے جذبات موجود ہیں اور مخالفین اسلام کی سازشوں اور کوششوں کے باوجود یہاں دین کا ایک ولولہ اور جذبہ صادق موجود ہے۔ یہ ایک فال نیک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جذبے کو اس پورے علاقے کے لئے مبارک کرے اور یہاں سے وہ افراد پیدا کرے جن کی اس وقت عالم اسلام کو ضرورت ہے۔

اوپر کی سطح

اوپر کی سطح پر تو یہ نظر آتا ہے کہ پورا عالم کفر مسلمانوں کے خلاف متفق ہو گیا ہے اور جگہ جگہ مسلمان ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ کشمیر، فلسطین، تاجکستان اور بوسنیا اس کی نمایاں مثالیں ہیں حتیٰ کہ مسلم ممالک جیسے تیونس، الجزائر، ترکی اور مصر میں بھی دینی قوتوں کو کچلا جا رہا ہے۔ طاقت کے بل بوتے پر دینی جذبات رکھنے والے افراد کو چن چن کر نکالا جا رہا ہے، انہیں جیلوں میں بھی بھیجا جا رہا ہے، ان کا قتل بھی ہو رہا ہے اور ان کے خلاف دہشت گردی کے الزامات کی بوچھاڑ کی جا رہی ہے۔ خود پاکستان میں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ علماء حق کو جن کا فرقہ واریت سے کوئی تعلق نہیں، دہشت گردی سے دور کا واسطہ نہیں، جن کی کوششیں ہمیشہ اتحاد بین المسلمین کے لئے وقف رہتی ہیں، انہیں بھی چن چن کر قتل کیا جا رہا ہے۔ ان حالات میں بہت سے لوگوں کے حوصلے ٹوٹنے لگتے ہیں لیکن یہ اوپر کی سطح ہے۔

آپ میں سے بہت سے حضرات نے سمندر دیکھا ہوگا کہ اس کی اوپری سطح پر موجوں کا ایک طوفان برپا ہوتا ہے لیکن اندر اندر ایک موج ان کے مخالف سمت چلتی ہے۔ اوپر کی موجیں ٹھنڈے پانی کی ہوتی ہیں، نیچے کی لہر گرم پانی کی ہوتی ہے۔ بالکل اس وقت عالم اسلام کا حال یہی ہے۔

انقلاب اسلام کی لہر

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے مجھے تقریباً پوری دنیا میں گھومنے کا موقع دیا۔ اور یہ گھومنا صرف تفریح کے لئے نہیں تھا بلکہ وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کا موقع ملا ہے۔ مختلف طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ملنے اور مختلف معاشروں کو دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ اس کے بعد یہ کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی اوپری سطح تو وہ ہے جو میں نے اوپر بیان کی لیکن اس پوری دنیا کے اندر ایک لہر ہے "انقلاب اسلام" کی جو ان حوادث کے نیچے نیچے چل رہی ہے۔ اوپر یہ مصائب اور آلام ہیں جو عالم اسلام پر برس رہے ہیں لیکن نیچے انقلاب اسلام کی ایک طاقتور اور بے تاب اور ناقابل شکست لہر ہے۔

یہ لہر اٹھی ہے افغانستان سے۔ روس نے عالم اسلام کے تقریباً ۲۹ ممالک کو ہڑپ کیا تھا، جس میں یورپ، ایشیا اور وسطی ایشیا کے ممالک شامل ہیں۔ اس نے سوچا کہ چلو تیسواں ملک بھی شکار کر ڈالوں اور اس کی شامت اعمال اسے افغانستان کے پہاڑوں میں لے آئی۔ اللہ تعالیٰ نے افغانستان کے مجاہدین کو یہ اعزاز بخشا کہ گیارہ سال کے صبر آزما جہاد کے نتیجے میں جو پتھروں اور ڈنڈوں سے شروع تھا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ نے یہ کرشمہ دکھایا۔ یہ طلبہ، یہ مسجدوں کے مؤذن، یہ مسجدوں کے امام اور مدرسوں کے مدرس جن کو دنیا کے اندر حقیر ترین مخلوق سمجھا جا رہا تھا، جب یہ خالی ہاتھ ہونے کے باوجود روس کے ٹینکوں، گن شپ ہیلی کاپٹروں اور ان کے بمبار طیاروں کے مقابلے میں نبرد آزما ہوئے تو دنیا کی سپر طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور افغانستان اس کے لئے قبرستان بن گیا۔

شہداء کا خون مجاہدین افغانستان نے اپنا خون دیکر یہاں کے طالبان، ازبک، پاکستان کے مجاہدین کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی ہے کہ انہوں نے ان سے بہتے ہوئے خون میں اپنا خون شامل کیا اور ان کے علاوہ عالم اسلام کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہوگا جس کے شہداء کی قبریں وہاں موجود نہ ہوں۔

مغربی ممالک میں اسلامی لہر

یہ انقلاب کی لہر ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ امریکہ میں جائیں تو وہاں بہت سے پاکستانی بلکہ اکثر پاکستانی جن کو ہم یہاں داڑھی منڈا دیکھتے تھے، نمازوں کے لئے مسجد میں نہیں آتے تھے، وہاں ان کی داڑھیاں ہیں، مسجدوں میں صف اول کے نمازی ہیں اور وہ عورتیں جو یہاں پردہ نہیں کرتی تھیں وہاں پردہ کر رہی ہیں۔ برطانیہ میں جا کر وہاں یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ وہی کفرستان ہے جس نے پورے عالم اسلام پر یلغار کی تھی اور اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، آج وہاں اذانیں گونج رہی ہیں۔ ایک ہزار سے زیادہ مسجدیں ہیں، مکاتب قرآنیہ اور دارالعلوم ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے وہاں برقعے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا، آج وہاں جگہ جگہ مسلمان عورتیں برقعہ پہنے نظر آتی ہیں، بلکہ بغیر برقعہ والی کم اور برقعہ والی زیادہ ہوتی ہیں۔ وہ پیرس (فرانس) جو کہ کفر و شرک اور عیاشی کا مشہور مرکز ہے۔ وہاں اسلامی انقلاب بہت زیادہ صاف نظر آرہا ہے۔ وہاں کی صورتحال یہ ہے کہ روزانہ اوسطاً سو افراد مسلمان ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جو ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پاکستان میں خاص رفیق کار تھے، پھر وہ ہجرت کر کے فرانس چلے گئے۔ وہیں ڈیرہ ڈالا۔ آپ یورپ کی تقریباً ایک درجن زبانوں کے ماہر تھے۔ انہوں نے علمی رنگ میں اسلام کا کام کیا۔ ان کے ہاتھ پر ہزاروں لوگ مشرف باسلام ہوئے۔ وہ فرماتے تھے کہ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو خفیہ طور پر مسلمان ہوئے

تھے۔ ان میں کروڑ پتی اور ارب پتی لوگ بھی ہیں اور بڑے بڑے افسران بھی، اسمبلیوں کے اراکین بھی ہیں اور صنعتکار بھی، تعلیمی اداروں کے سربراہ بھی ہیں اور پادری بھی۔ برطانیہ، امریکہ، کینیڈا اور فرانس میں یہ صورتحال ہے کہ عیسائی اپنے چرچ فروخت کر رہے ہیں اور مسلمان ان سے خرید کر وہاں مسجدیں اور مدرسے بنا رہے ہیں۔

اسلام کا خاص مزاج

مجھے کسی نے بتایا کہ کسی نے فرانس کے کسی وزیر سے کہا کہ آپ کے ہاں اسقدر تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے کہ یہ اندیشہ ہے کہ یہاں جلد ہی اکثریت مسلمانوں کی ہو جائیگی تو ایسی صورتحال میں آپ کیا کریں گے۔ اس نے جواب دیا کہ پھر میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔ امریکی صدر بل کلنٹن نے بار بار کہا ہے کہ امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب اسلام ہے۔ اسلام کا ایک خاص مزاج ہے۔ وہ یہ کہ

؎ اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

عالم کفر نے جتنا زیادہ مسلمانوں کو کچلنے کی کوشش کی، مسلمان اتنے ہی زیادہ ابھر رہے ہیں۔ یہ انقلاب ایک عالمگیر اور طاقتور لہر ہے۔ یہ ایک صورتحال ہے جسے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

اس وقت تعلیم تو دینی مدرسوں میں ہے

ادھر ہمارے پاکستان کے نظام تعلیم کا حال یہ چلا آ رہا ہے کہ ہمارے ناعاقبت اندیش حکمرانوں نے اسلامی نظام تعلیم کو برپا نہیں ہونے دیا۔ وہی فرسودہ دور سیکولر نظام تعلیم جو انگریزی دور سے چلا آ رہا تھا، اسی کو چلا رہے ہیں اور اب اس نظام تعلیم کا حال بھی یہ ہے کہ اس کے اداروں میں تعلیم ہی ختم ہو گئی۔ نہ قدیم تعلیم رہی نہ جدید رہی۔ نہ اچھی رہی اور نہ بری رہی۔ نہ دین کی رہی اور نہ دنیا کی رہی۔

ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک صاحب نے کسی کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ افغانستان کے ریلوے کے وزیر ہیں۔ مخاطب نے حیران ہو کر کہا کہ وہاں تو ریلوے کا نظام ہی نہیں تو ریلوے کے وزیر کیسے! تو وہ کہنے لگا کہ جب آپ کے ہاں تعلیم کے بغیر وزیر تعلیم ہو سکتا ہے تو وہاں ریلوے کے بغیر وزیر ریلوے کیوں نہیں ہو سکتا۔

سرکاری اداروں میں تعلیم نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ مدارس کے اندر طلبہ کو سمانے کی جگہ نہیں۔ سکولوں اور یونیورسٹیوں سے بیزار ہو کر والدین اپنے بچوں کو دینی مدرسوں میں بھیج رہے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت اگر تعلیم ہو رہی ہے تو دینی مدرسوں میں ہو رہی ہے۔

یہ بڑا سائنٹیفک طریقہ ہے

ایک مرتبہ میں ایک میٹنگ میں شریک تھا۔ جس میں تعلیم کے حوالے سے بڑے بڑے سرکاری عہدیداران اور ماہرین موجود تھے۔ اس مجلس میں سیکرٹری وزارت تعلیم مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کے ہاں جو طریقہ ہے "تکرار" کا۔ یہ بڑا سائنٹیفک طریقہ ہے۔ یہ ہمارے ہاں نہیں ہو رہا البتہ امریکہ والے اسے اختیار کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہمارے ہاں یہ طریقہ صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ کہنے لگے کہ ایک بات ہے "وہ یہ کہ آپ کے طلبہ صحت کے بارے سے کمزور ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اور تو کچھ جانتا نہیں، البتہ آپ کشتی لڑوا لیجئے، پھر پتہ چل جائے گا کہ مدرسوں کے لڑکے زیادہ کمزور ہوتے ہیں یا سرکاری اداروں کے لڑکے۔

اب غور کیجئے کہ عملی صورتحال وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی اور ہمارے ملک کی تعلیمی صورتحال یہ ہے کہ سرکاری اداروں میں تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے۔ لوگوں کا رجحان دینی مدارس کی طرف بڑھ رہا ہے اور سرکاری اداروں کا نظام تعلیم ناکام ہو رہا ہے ان حالات میں دینی مدرسوں کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

تزکیہ کا کام بھی ضروری ہے

قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾ (قرآن مجید کے الفاظ کی تعلیم)

۲۔ ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (اعمال و اخلاق اور عقائد کا تزکیہ کرنا)

۳۔ ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ﴾ (معنی قرآن کی تعلیم دینا)

۴۔ ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور حکمت (دانائی کی باتیں سکھانا)

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر حکمت سے مراد "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ زندگی۔

الحمد للہ یہ کام ہمارے دینی مدارس میں ہو رہے ہیں۔ الفاظ قرآن کی تعلیم کے لئے مکاتب ہیں مکاتب قرآنیہ اور معنی قرآن اور حکمت کی تعلیم کے لئے درس نظامی کے مدارس ہیں لیکن یاد رکھئے کہ کوئی دینی مدرسہ اس وقت تک جامع دینی مدرسہ نہیں کہلا سکتا جب تک اس میں "تزکیہ" کا کام نہ ہوتا ہو کیونکہ "تزکیہ" کا کام عام طور پر خانقاہوں میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ نہیں تھا کہ الفاظ و معانی قرآن تک ایک جگہ سے سیکھیں تزکیہ کے لئے کہیں جانا پڑتا تھا، بلکہ سب کام ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ اس لئے ہمیں اپنے نمونے کے مدارس میں الفاظ اور معانی قرآن کی تعلیم بھی دینی ہے اور قرآن و سنت کے مطابق ان کی عملی تربیت بھی کرنی ہے۔

آپ کے ہاں الحمد للہ مکاتب قرآنی قائم ہیں اور اب ایک درس نظامی کا مدرسہ بھی شروع ہو رہا ہے۔ یہ آپ پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کے اندر آپ اپنے مدرسے سے جس طریقے سے بھی تعاون کر سکتے ہیں تعاون کریں۔ جہاں کہیں کوئی دین کا کام ہو رہا ہو وہاں تعاون کرنا چاہئے۔

مدرسے کی اصل ضرورت

اصل بات یہ ہے کہ مدرسہ قائم ہونے کے لئے عمارت کی ضرورت تو بعد میں پیش آتی ہے۔ سب سے پہلے تو ایک استاد اور ایک طالبعلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا آغاز اس طرح ہوا تھا کہ ایک استاد تھا اور ایک شاگرد۔ دیوبند بستی میں چھتے کا محلہ تھا۔ بہت پرانی ایک مسجد تھی۔ اس میں ایک انار کا درخت کھڑا ہوا تھا۔ اس کے نیچے سبق شروع ہوا۔ استاذ کا نام بھی محمود تھا، شاگرد کا نام بھی محمود۔ شاگرد وہی "محمود الحسن" جو بعد میں شیخ الهند بنے۔ انہوں نے "ریشمی رومال" کی تحریک چلائی تھی اور انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کا سارا منصوبہ تیار کرایا تھا۔ عظیم الشان ولی اللہ، اعلیٰ درجے کے مفسر، اونچے درجے کے فقیہ، عظیم الشان محقق، حکیم الامت حضرت تھانوی کے استاذ، ہمارے والد صاحبؒ کے مرشد شیخ الهند حضرت مولانا "محمود الحسن" نے یہ تعلیم اس وقت حاصل کی جب وہاں عمارت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ پھر الحمد للہ عمارتیں بھی بنیں اور پوری دنیا میں اس کا فیض پہنچا۔

آپ حضرات سے بھی یہی گزارش کرونگا کہ آپ جو مدرسہ قائم کر رہے ہیں، انشاءاللہ اس کے لئے بھی بڑی جگہ کی ضرورت پیش آئے گی البتہ اس سے پہلے ماہر اور متقی اساتذہ کی ضرورت ہے۔ اگر اساتذہ ماہر، پرہیزگار اور بزرگوں کے تربیت یافتہ ہوں تو اس سے مدرسہ حقیقی ترقی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق کامل عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۰

موریشس میں اسلامی خیالات
اور وقت کا تقاضا

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: موریشس (جنوبی افریقہ)
ترجمہ و عنوان: اعجاز احمد صمدانی

موریشس میں اسلامی حالات اور وقت کا تقاضا

خطبہ مسنونہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہٖ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد ان سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

اما بعد!

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم

ابن ماجہ، مقدمہ، حدیث نمبر ۲۲۴، مجمع الزوائد ...، ج ۱ ص ۱۱۹، ... (۲۰۳۲)
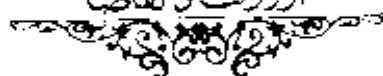
آپ عالم اسلام سے بہت دور ہیں

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

ممکن ہے کہ آپ یوں محسوس کرتے ہوں کہ میرا وعظ روایتی اور رسمی قسم کا وعظ ہوگا لیکن میں رسمی قسم کی باتیں کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میرے بزرگوں نے مجھے یہ تعلیم دی ہے کہ جب کہیں لوگوں سے خطاب کرنے کا موقع ملے تو جہاں زخم ہو، وہاں مرہم لگاؤ، اور اس مقام پر مسلمانوں کی جو دینی ضرورتیں ہیں، ان کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلاؤ۔

آپ دنیا کا نقشہ اٹھا کر اس میں ماریشس کو دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ پورے عالم اسلام اور عرب ممالک سے بہت دور یہ ایک جزیرہ ہے جس کے اندر آپ آباد ہیں۔ جہاں علم دین ہے اور جہاں اسلام کی حکومت ہے، وہاں سے آپ بہت دور دراز کے علاقے میں آباد ہیں۔ اس دور دراز علاقے میں اسلام مکہ اور مدینہ سے آیا تھا اور جن قربانیوں سے آیا تھا، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر بھی نظر رکھیں۔

براعظم افریقہ میں اسلام کیسے پہنچا؟

براعظم افریقہ میں اسلام کا پیغام کس طرح پہنچا؟ اس کی طویل داستان ہے، لیکن میں اس میں سے ایک چھوٹا سا واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ براعظم افریقہ کے بعض ممالک میں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام آگیا تھا لیکن اس کے بعد اسلام کے مجاہدین، مبلغین اور اسلام کے خدام، جو اس وقت صحابہ کرام تھے، اللہ کا پیغام لے کر افریقہ کے ممالک میں دور دراز تک بڑھتے چلے گئے، اسلام کی فتوحات کا پرچم کام بکام اور ملک در ملک لہراتے ہوئے لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش تک جا پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی اور اسلامی لشکر کے جرنیل حضرت عقبہ بن نافع جب اپنا لشکر لے کر تیونس کے قریب پہنچے ہیں تو اس وقت انہیں احساس ہوا کہ ہم اپنے مرکز سے بہت دور نکل آئے ہیں۔

یہاں پہنچنے کے بعد ان کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ ہمیں ایک چھاؤنی قائم کرلینی چاہئے جہاں مجاہدین کو تربیت بھی دی جائے، سامان جہاد بھی جمع رکھا جائے اور مسلمانوں کی باحفاظت رہائش کا انتظام بھی کیا ہوئے۔ اس چھاؤنی کے قائم کرنے کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کرنا تھا کہ اس کا محل وقوع صحت کے لئے بھی مفید ہو، نقل وحمل بھی آسان ہو اور دشمن سے حفاظت بھی زیادہ بہتر انداز میں ہو سکے۔ لشکر میں موجود بعض مجاہدین جو اس قسم کے معاملات میں ماہر تھے، انہوں نے اس مقصد کے لئے ایک بڑے جنگل کا انتخاب کیا۔ لیکن وہ جنگل درندوں، بچھوؤں، سانپوں اور اژدھوں سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت عقبہ بن نافع نے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اس جنگل میں چھاؤنی بنانے کا فیصلہ کیا۔

اس علاقے کے نئے نئے مسلمانوں نے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہمدردی اور خیر خواہانہ طریقے سے درخواست کی کہ آپ یہاں چھاؤنی بنانے کا ارادہ نہ کریں کیونکہ اس جنگل میں اتنے اژدھے اور درندے ہیں کہ مجاہدین اسلام کے لئے یہاں ایک دن بھی ٹھہرنا ممکن نہیں ہوگا اس لئے یہاں کے بجائے کسی اور جگہ کا انتخاب کیا جائے لیکن حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے جرنیلوں نے اس جگہ کو سب سے زیادہ موزوں قرار دیا ہے اور ہم اس جنگل میں اپنی ذاتی غرض کے لئے چھاؤنی قائم نہیں کر رہے بلکہ اللہ رب العالمین کے رسول کا پیغام پہنچانے کے لئے نکلے ہوئے ہیں، لہٰذا یہ درندے ہمیں اس کام سے نہیں روک سکتے اور آؤ آج تم میرے ساتھ اس جنگل میں چلو اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔

چنانچہ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ مجاہدین اسلام کا لشکر اور مقامی آبادی کے بعض مسلمانوں کو لے کر اس جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض کافر لوگ بھی تماشہ دیکھنے کے لئے ساتھ ہو گئے۔ اس جنگل کے قریب ایک ٹیلہ تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد حضرت عقبہؓ اس ٹیلے پر چڑھ گئے اور وہاں چڑھ کر خطاب شروع کیا۔ یہ خطاب انسانوں سے نہیں تھا

بلکہ شیروں، اژدھوں اور خونخوار بھیڑیوں اور چیتوں سے تھا۔ آپ نے کہا:

"اے اس جنگل کے درندو! ہم جنگلی جاہل تھے، اللہ نے ہمارے اندر اپنے آخری رسول کو مبعوث کیا۔ اس نے ہم تک دین اسلام کا پیغام پہنچایا اور اس رسول نے ہم کو یہ حکم دیا کہ اللہ کے اس پیغام کو دنیا کی تمام اطراف میں پہنچادو۔ ہم اللہ کے رسول کے بھیجے ہوئے لشکر ہیں۔ مجاہدین اسلام اپنے وطنوں سے بہت دور نکل آئے ہیں، ان کو یہاں ٹھہرنے کے لئے چھاؤنی بنانے کی ضرورت ہے، ہم اپنے اقتدار کے لئے نہیں، اپنی حکومت کے لئے نہیں، مال و دولت کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا پیغام پہنچانے کے لئے نکلے ہیں۔ مجاہدین اسلام کا یہ لشکر تمہارا مہمان ہے۔ اس اسلامی لشکر کو ٹھہرنے جنگل کی ضرورت ہے اور میں تم کو اللہ کے بھروسے پر یہ حکم دیتا ہوں کہ بارہ گھنٹے کے اندر اس جنگل کو خالی کردو ورنہ اس کے بعد جو جانور بھی یہاں نظر آئے گا قتل کردیا جائے گا۔"

یہ خطاب کر کے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اس ٹیلے سے نیچے اترنے نہیں پائے تھے کہ پورے جنگل میں بھگدڑ مچ چکی تھی۔ شیرنی اپنے بچوں کو پیٹھ سے چمٹائے ہوئے بھاگی جارہی تھی۔ ہاتھی اور ہتھنی اپنے خاندان کو لے کر دوڑ رہے تھے۔ سانپنی اپنی سپولیوں کو لے کر تیز تیز نکل رہی تھی۔ عقبہ بن نافع نے بارہ گھنٹے کا نوٹس دیا تھا، جنگل چار گھنٹے میں خالی ہوگیا۔ لشکر اسلام وہاں ٹھہرا، وہاں ایک شہر تعمیر ہوا۔ آج بھی وہ شہر موجود ہے۔ اس کا نام ہے "قیروان"۔ یہاں کی مشہور جامع مسجد کی تصویریں آج بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ الحمد للہ، آج بھی افریقہ کے ممالک میں اسلام نظر آتا ہے اور یہاں کے میناروں سے اللہ اکبر کی صدائیں گونجتی سنائی دیتی ہیں۔

ہمارے موجودہ حالات خطرے کا الارم ہیں

میں آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ وہ ہمارے آباء اجداد تھے جنہوں نے اتنی مصیبتیں جھیل جھیل کر جان کی بازیاں لگا لگا کر اور قربانیاں دے دے کر یہاں تک اسلام پہنچایا لیکن اس وقت ہمارے حالات جو میں دیکھ رہا ہوں، وہ خطرے کا الارم ہیں اور اس اندیشے کو پیدا کر رہے ہیں کہ کہیں خدانخواستہ ہم اپنے اسلاف کی لائی ہوئی اس امانت کو اپنی نسلوں سے ناپید نہ کر دیں۔

دو خطرے

مجھے یہاں دو چیزوں کے بارے خطرہ ہے۔ ایک یہ کہ میں یہاں یہ دیکھ رہا ہوں کہ الحمدللہ، یہاں کے لوگ مسجدوں میں آتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں لیکن یہاں کے عوام میں علم دین کی طرف کوئی توجہ اور دلچسپی نہیں ہے۔ اول تو یہاں مدرسے ہی بہت کم ہیں اور جو مدرسے قائم ہوئے ہیں، وہاں پڑھنے کے لئے بچے نہیں آتے۔ یہ اتنی خطرناک بات ہے کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا اور اس ملک میں اعلیٰ دینی تعلیم و تربیت کا کوئی مدرسہ قائم نہ ہوا اور ابتدائی تعلیم کے مدرسوں میں ہمارے بچوں نے ناظرہ و حفظ اور ضروری دینی تعلیم حاصل نہ کی تو ایک یا دو نسلیں گزرنے کے بعد جو لوگ آئیں گے تو شاید انہیں یہ بھی یاد نہ رہے کہ ہمارے آباؤ اجداد مسلمان تھے یا عیسائی، ہندو تھے یا میتھوڈسٹ۔

دوسری مزید خطرناک صورتحال یہ ہے کہ اسلامی معلومات اور اسلامی مسائل عربی اور اردو زبان کی کتابوں میں بہت زیادہ ہیں۔ اگر کوئی عربی یا اردو جانتا ہو تو ان کا مطالعہ کر سکتا ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں عربی جاننے والے بھی نہیں ہیں اور اردو جاننے والے بھی نہیں بلکہ گجراتی جاننے والے بھی اب نہیں رہے۔ ان حالات میں اس نسل کیلئے اسلام کو سمجھنے اور جاننے کا کوئی ذریعہ مجھے نظر نہیں آ رہا۔

ایک اور خطرناک بات

اس پر ایک صورتحال اور خطرناک ہے۔ وہ یہ کہ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے، اس میں مسلمانوں کی اقلیت ہے، اس کے باوجود آپس میں پھوٹ، اختلاف اور افتراق ہے۔ کہیں دیوبندی اور بریلوی کے جھگڑے ہیں، کہیں مقلد اور غیر مقلد کی کشمکش ہے، کہیں گجراتی اور بہاری کے درمیان کشمکش ہے، کہیں سیاسی پارٹی بندیاں ہیں۔ ان حالات میں بتائیے کہ آپ نے آنے والی نسلوں کے لئے کیا سوچا؟

یہی حالات اسپین کے تھے

یہی وہ حالات تھے جو اسپین (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ وہاں اسلام کی عظمت کا پرچم تقریباً آٹھ سو سال تک لہراتا رہا اور اسلام کا اقتدار ایسا پھیلا ہوا تھا کہ تقریباً آدھا فرانس بھی ان کے زیر اقتدار تھا، یورپ کی بڑی بڑی حکومتیں امیر اسپین کو پیشکش کرتی تھیں کہ ہماری بیٹیوں سے شادی کرلیں، لیکن جب وہاں کے مسلمانوں میں وہ حالات پیدا ہوئے جو میں اپنی آنکھوں سے ماریشس میں دیکھ رہا ہوں کہ علم دین سے دوری، باہمی افتراق و انتشار، ان میں بربری اور اندلسی جھگڑے تھے، عصبیت تھی، عیش و عشرت تھی، مال و دولت کی فراوانی نے ان کو مدہوش کردیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیمات کو فراموش کردیا، اللہ کی یاد سے غافل ہوئے تو اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا۔ اور اللہ کا عذاب ایسا آیا کہ آج پوری سرزمین اندلس پر ایک مسلمان وہاں کا مقامی نظر نہیں آتا۔ وہاں کی جامع مسجد قرطبہ آج بھی موجود ہے لیکن مسجد کے مینارے اور اس کی محراب "اللہ اکبر" کی آوازوں کے لئے ترس رہے ہیں۔ وہ اسپین جس کی فضاؤں میں دن میں پانچ مرتبہ اذانوں کی آوازیں گونجا کرتی تھیں، وہاں اذانیں خاموش ہوچکی ہیں۔

دو کام ناگزیر ہیں

اگر آپ چاہتے ہیں کہ ماریشس میں آپ کی نسلوں کے ساتھ وہ عمل نہ ہو اور یہاں وہ حالات پیدا نہ ہوں جو اسپین میں پیدا ہو گئے تھے تو آپ کو دو کام کرنے ناگزیر ہیں۔ اگر نہیں کریں گے تو سخت گنہگار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کا عذاب آ کر رہے گا۔

۱۔ ایک علم دین کی طرف پوری توجہ

۲۔ دوسرے اتحاد

بہتر تو یہ ہے کہ اپنے بچوں کو قرآن مجید حفظ کرائیں لیکن اگر کسی کے اندر اتنی ہمت نہیں ہوتی تو کم از کم یہ تو فیصلہ کر لیں کہ اپنا کوئی بچہ اور کوئی بچی ایسی نہیں چھوڑیں گے جو قرآن کریم دیکھ کر پڑھنے والا نہ ہو اور دین کے ضروری مسائل جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور طہارت وغیرہ کے مسائل سے واقف نہ ہو۔ ان دونوں چیزوں کی تعلیم ایسی ہونی چاہئے کہ ماریشس کا کوئی بچہ بلکہ کوئی مرد اور کوئی عورت بھی اس سے خالی نہ رہے اور یہ بھی کافی نہیں بلکہ یہاں ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ یہاں ماہر علماء کی ایسی تعداد ہو جو دینی مسائل میں لوگوں کی معقول رہنمائی کر سکے۔ اور ایسے علماء کو تیار کرنے کے لئے یہیں پر ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ اس دارالعلوم کے قیام کے لئے آپ کو موجودہ علماء کی خدمات حاصل کرنا پڑیں گی۔ انہی کی رہنمائی سے ایسا دارالعلوم قائم ہو سکتا ہے۔ الحمدللہ ایک دارالعلوم کا کام ابتدائی مرحلے میں شروع بھی ہو چکا ہے لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ وہاں پڑھنے کے لئے بچے نہیں آتے۔ اگر آپ اپنے بچوں کو قرآن مجید نہیں سکھائیں گے تو کیا ہندو اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھوائیں گے؟ بدھ مت اپنے بچوں کو عالم بنائیں گے؟ یہ قرآن و حدیث کا علم ہمارے لئے ہے یا کافروں کے لئے۔ اسے کون پڑھے گا اور کون پھیلائے گا۔

آپ کا فریضہ ہے کہ اپنے بچوں کو دینی مدرسوں میں داخل کرائیں، ابتدائی تعلیم تو

سب کو بلوائیں اور اولاد میں جو سب سے زیادہ ذہین ہو اور سب سے زیادہ تندرست ہو اسے پورا عالم دین بنانے کیلئے پاکستان بھیجیں۔ الحمدللہ کراچی میں ہمارا ایک بہت بڑا تعلیمی ادارہ ہے "دارالعلوم کراچی"۔ اگر آپ اپنے ہونہار لڑکوں کو قرآن شریف یہاں پڑھوانے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے وہاں بھیجیں گے تو ہم ان کو خوش آمدید کہیں گے اور انہیں داخلہ دیں گے، ہمارے یہاں طلبہ کے لئے رہائش اور کھانے کا بھی جامعہ کی طرف سے انتظام ہوتا ہے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ وہاں سے اچھے عالم بن کر واپس آئیں اور یہاں پر دینی ادارہ دارالعلوم قائم کریں اور پھر یہیں پر اچھے علماء قائم ہونے لگیں۔

پہلا کام تو علم دین کے پھیلانے سے متعلق تھا، جس کی تفصیل میں نے عرض کی۔ دوسرا کام "اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت" ہے۔ جو مسلمان کوئی بھی مسلک رکھتا ہے، دیوبندی ہو، یا بریلوی، اہلحدیث ہو یا حنفی، اپنے مسلک پر عمل کرے لیکن دوسروں سے لڑائی جھگڑا نہ رہے۔ اس سلسلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا بڑا بہترین ارشاد ہے جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے، فرماتے تھے "اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں۔" اور اجتماعی کاموں میں ہر مکتبہ فکر اور ہر علاقے کے مسلمان متحد ہو کر اجتماعی جدوجہد کریں مثلاً اس وقت آپ کے ہاں ایک بڑا اہم مسئلہ "مسلم پرسنل لاء" کا ہے۔

اس مقصد کے اندر آپ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک آپ کا باہمی انتشار اور افتراق ختم نہ ہو۔ اگر دیوبندی بریلوی کے خلاف، بریلوی دیوبندی کے خلاف، اہلحدیث حنفی کے خلاف اور حنفی اہلحدیث کے خلاف لڑتے رہے تو آپ نہ مسلم پرسنل لاء کے مقصد کو حاصل کر سکیں گے اور نہ دین کا کوئی اور مقام حاصل کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اپنی ذمہ داریوں کو احسن انداز میں نبھانے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ختم بخاری شریف

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی (کورنگی)

تاریخ: رجب ۱۴۱۵ ہجری

ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی

﴿ختم بخاری شریف﴾

بزرگان محترم، حضرات علماء کرام، برادران عزیز، ہونہار عزیز طلباء اور طالبات ومعلمات مدرسۃ البنات، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الحمد للہ آپ حضرات نے قرآن کریم کے بعد اس دنیا کی سب سے زیادہ عظیم کتاب اور سب سے زیادہ صحیح ترین کتاب صحیح بخاری کی آخری حدیث کا درس شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے حاصل کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس درس کے وہ تمام فوائد عطا فرمائے جن کی اس عظیم درس کے ضمن میں توقع کی جاتی ہے۔

قبل اس کے کہ اپنی کچھ اور معروضات پیش کروں، اپنے دورۂ حدیث کے ہونہار طلباء کی ایک درخواست مجھے ملی ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ صحیح مسلم کا درس مجھ ناچیز سے متعلق ہے ہم نے درس تو پورا کر دیا اور اس کی پوری سند بھی طلباء کو بتا دی اور لکھوا دی لیکن ان سے یہ وعدہ تھا شروع سال سے کہ صرف صحیح مسلم کی نہیں بلکہ جتنی کتب حدیث کی روایت کی اجازت مجھے اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے حاصل ہے یا جو کتب حدیث اور حدیثیں میں نے ان سے پڑھی یا سنی ہیں ان سب روایات اور مرویات کی اجازت بھی دوں گا، یہ وعدہ ان طلباء نے مجھ سے شروع سال سے لے رکھا تھا لیکن جب مسلم شریف کا آخری درس ہوا تو یہ بات ذہن سے نکل گئی طلباء نے بعد میں یاد دلائی اور اب انہوں نے دوبارہ یاد دہانی کرائی ہے کہ وہ وعدہ پورا کر دیجئے، چنانچہ میں اللہ رب

بیٹھے ہوئے ہیں ان کی تعداد ۵۹۳ ہے، اور جو طالبات دورۂ حدیث سے فارغ ہوئی
ہیں اس سال ان کی تعداد چھتیس ۳۶ ہے اور جو تخصص فی الافتاء سے فارغ ہوئے ہیں
ان کی تعداد ۱۰ ہے، اس طرح الحمد للہ ۶۳۹ طلبہ و طالبات اس سال تعلیمی سفر سے
فارغ ہوئے ہیں تو جب یہ اختتام کا وقت ہوتا ہے تو یہ طلباء جو یہاں کئی کئی سال رہتے
اتنے مانوس ہوتے ہیں کہ اپنے گھروں سے زیادہ محبت ان کو یہاں کی در و دیوار سے اور
یہاں کی فضاؤں سے ہو جاتی ہے اور اپنے اساتذہ سے بھی جو شفقت ان کو ملی ہے،
جو تربیت و تعلیم ان کو ملی ہے وہ ان کے دلوں میں گہرا نقش بنا کر ہمیشہ ان کے ساتھ
رہتی ہے تو رخصت ہونے کا تصور ان طلباء کے لیے بھی جاں گداز ہوتا ہے اور ہم خدام
دارالعلوم کے لیے بھی یہ تصور بہت صبر آزما ہوتا ہے کہ اپنے ان پیارے بیٹوں کو اپنے ان
معنوی بیٹوں کو جن میں سے بعض وہ بھی ہیں جو چودہ، پندرہ، سولہ سال سے ہمارے ساتھ
ہیں، ایک بڑی تعداد ان کی بھی ہے جو آٹھ سال سے ہمارے پاس زیرِ تعلیم ہیں، آج ہم
ان کو رخصت کر دیں گے، آج دنیا کے کسی اور طرح کے تعلیمی اداروں اور نظامِ تعلیم میں
ان جذبات کا تصور نہیں کیا جا سکتا، ان جذبات کو محسوس نہیں کیا جا سکتا جو ان طلباء کے
جذبات ہوتے ہیں جامعہ سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو جانے کے وقت، اور جو اساتذہ
کے جذبات ہوتے ہیں جامعہ سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو جانے کے وقت، اور جو
اساتذہ کے جذبات ہوتے ہیں ان کو رخصت کرتے وقت، اس کا اندازہ صرف وہی
حضرات کر سکتے ہیں جن کو ان دینی مدرسوں کے اندر پڑھنے پڑھانے کی سعادت اور
لذت نصیب ہوئی ہو۔

ہر محبت کی لذت الگ ہے:

اللہ رب العالمین نے ہر محبت کی لذت الگ رکھی ہے، اولاد کی محبت کی لذت
کچھ اور ہے، بیوی کی محبت کی لذت کچھ اور، ماں باپ کی محبت کی لذت کچھ اور ہے، لیکن
بھائیوں کی محبت کی لذت کچھ اور، اسی طرح مریدوں کی محبت کی لذت کچھ اور ہے اور

شاگردوں کی محبت کی لذت دیکھو اور اس لذت کو نہ زبان سے بیان کیا جا سکتا ہے نہ تحریر میں لایا جا سکتا ہے، یہ طلباء ہم سے رخصت ہونے والے ہیں، ہماری دعا اور تمنا ہے کہ انہوں نے اس طویل مدت میں جو درس حاصل کیا ہے وہ درس زندگی بھر ان کا ساتھی رہے اور جن امیدوں اور تمناؤں کے ساتھ اساتذہ نے ان کی تعلیم و تربیت کی ہے وہ ان امیدوں اور تمناؤں پر پورے اتریں اور ہمت کو اس وقت جیسی قیادت کی ضرورت ہے اپنے آپ کو اس قیادت کے قابل بنائیں۔

فارغ التحصیل ہونے کا مطلب:

میں طلباء سے یہ کہنا چاہوں گا، اور درس کے دوران بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ جب آپ فارغ التحصیل ہوتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ عالم دین بن گئے ہیں، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ آپ نے نصاب پورا پڑھ لیا ہے اور آپ کے اندر قوت مطالعہ پیدا ہو گئی ہے، جیسے کہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ طلباء کے فارغ التحصیل ہونے کا اور ہمارا ان کو پڑھانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر اسلامی علوم و فنون میں قوت مطالعہ پیدا ہو جائے، جتنے علوم و فنون ہیں ان میں یہ مطالعہ کر سکیں، عربی زبان میں بھی اور اپنی اپنی زبانوں میں بھی، دوسرا پڑھنے کی ضرورت نہ رہے، اب جتنا مطالعہ کرتے جائیں گے علم میں اضافہ ہوگا، جتنی تحقیق کریں گے، جتنی ریسرچ کریں گے، جتنا تدریس کا کام کریں گے، فتویٰ کا کام کریں گے، قضاء کا کام کریں گے، وعظ و نصیحت کا کام کریں گے جتنا کام کرتے جائیں گے تجربہ بڑھتا جائے گا، عالم دین بنتے جائیں گے، اور ایک وقت آئے گا انشاء اللہ کہ آپ عالم دین ہوں گے، لیکن ابھی آپ اپنے آپ کو عالم نہ سمجھیں، عالم دین بننے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی ہے، آج سے آپ کا سفر عالم دین بننے کے لیے ہوگا۔

فقہ باطن ابھی باقی ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے فقہ ظاہر حاصل کر لیا، ظاہری اعمال کے احکام سمجھ لیے، شریعت کے مسائل سمجھ لیے، اور الحمد للہ احادیث کا عظیم الشان ذخیرہ آپ کے ذہنوں میں اور آپ کے دلوں میں اتر گیا، لیکن باطنی چیزوں کی اصلاح، باطنی اعمال کی اصلاح، جس کا نام قرآن وسنت کی اصطلاح میں "احسان" ہے یہ کام ابھی باقی ہے، یہ کام کتابوں کے پڑھنے سے نہیں ہوسکتا، اسباق پڑھنے سے نہیں ہوسکتا، یہ مطالعے اور درس سے نہیں ہو سکتا، اس کا تعلق صرف تربیت سے ہے، تربیت حاصل کریں، کسی شیخ کی خدمت میں رہ کر، کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر، اپنے نفس کو مٹا کر، اپنے آپ کو اس شیخ کے اس طرح سپرد کر دیں کہ "کالمیت فی ید الغسال" ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہی الفاظ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے آپ کو شیخ کے اس طرح حوالے کر دو جیسے مردہ غسل دینے والوں کے قبضے میں ہوتا ہے کہ جدھر غسل دینے والے الٹ دیں وہ پلٹ جاتا ہے اس کا اپنا کوئی ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا، اسی طریقے سے اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کر دو کہ جس کام میں وہ لگائے، جو ہدایت دے دے، جو مشورہ دے دے اس کو بے چون و چرا اختیار کر لو، یاد رکھئے! باطن کی اصلاح یعنی دل کے اخلاق و اعمال کی اصلاح کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا، اس کے بغیر آدمی پورا مسلمان بھی نہیں ہوتا، خوب ذہن نشین کر لیجیے، آپ فقہ باطن کے بغیر عالم دین نہیں بن سکتے، اس لیے اب پوری لگن کے ساتھ کسی شیخ کی تربیت وصحبت میں رہ کر اس کام میں لگیں، یہ کام درس وتدریس وغیرہ کے ساتھ بھی چل سکتا ہے۔

تعلیم میں ہمارے طلباء کی مثالی محنت اور لگن:

الحمد للہ ایک بات یہ ہے کہ جس نوعیت کی محنت ہمارے دینی مدارس کے طلباء کرتے ہیں اور پڑھنے کے زمانے میں جس عظیم مجاہدے سے یہ گزرتے ہیں اس کی نظیر اس وقت شاید ہی کسی اور جگہ ملتی ہو، آپ کو شاید خوشگوار تعجب ہوگا کہ دورۂ حدیث کے ان

تین سو پچانوے طلباء نے اس طرح اسباق پڑھے ہیں کہ صبح کو آٹھ بجے سے درس شروع ہوتا تھا تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک، پھر سہ پہر کو تین بجے سے عصر تک، پھر مغرب سے لے کر رات کے تقریباً پونے بارہ بجے تک ان کا درس ہوتا تھا، کیا وقت باقی بچا؟ عصر سے مغرب تک کا وقت تاکہ اس میں کچھ چہل قدمی کرلیں، نماز ادا کرلیں، دوپہر کا تھوڑا سا وقت ہے کہ اس میں کچھ آرام کرلیں، ورنہ دن کا باقی سارا وقت ان کا "قال اللہ قال الرسول" میں خرچ ہوا۔ ان ۳۹۵ طلبہ میں سے ۹۰ طالب علم اللہ کے فضل و کرم سے ایسے سعادت مند اور مستقل مزاج ہیں کہ انہوں نے اپنے درس کے کسی گھنٹے میں پانچ منٹ کا بھی ناغہ نہیں کیا۔ پورا سال تقریباً دس مہینے ان کے روزانہ ہوتے ہیں کہ یہ لوگ ہیں، کسی گھنٹے میں انہوں نے چھٹی نہیں کی، نہ رخصت علالت لی، نہ رخصت اتفاقی لی، نہ تاخیر سے پہنچے، استاذ جب درسگاہ میں آتا تھا پہلے سے وہاں موجود ہوتے تھے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جتنی حدیثیں دورۂ حدیث کے سال میں آتی ہیں وہ ساری کی ساری حدیثیں انہوں نے پڑھی ہیں کوئی حدیث ان سے نہیں چھوٹی، دورۂ حدیث کے ۳۹۵ طلباء میں سے ایسے طلباء کی تعداد نوے ہے، میں نے سرسری حساب کیا کہ انہوں نے کتنی حدیثیں سال بھر میں پڑھی ہیں تو تقریباً اٹھائیس ہزار حدیثیں بنتی ہیں، یہ معمولی مجاہدہ نہیں۔

ایک طالب علم مجھ سے ملا وہ دورۂ حدیث کا طالب علم نہیں تھا، بلکہ مرحلہ ثانویہ عامہ یا خاصہ کا طالب علم تھا، اس نے بہت ہی بے تابی کے عالم میں کہا کہ حضرت میرے لیے دعا فرمادیں مجھے سخت پریشانی ہے آج کل۔ میں سمجھا گھر سے کوئی خبر آئی ہو گی، مجھے اس پر رحم آگیا، اس کے چہرے سے بے چینی بہت محسوس ہوتی تھی، میں نے پوچھا بیٹا کیا بات ہے؟ تمہیں کیا پریشانی ہے؟ اس نے کہا کہ میں دن بھر اور رات کے اکثر حصے میں پڑھنے میں لگا رہتا ہوں میری نیند بھی پوری نہیں ہوتی مگر اس کے باوجود میرا مطالعہ پورا نہیں ہوتا، وہ اس سے پریشان تھا، الحمد للہ یہ ذہن ہمارے طلباء میں ہوتی ہے۔

غرض نوے طلباء تو وہ ہیں جن کی کوئی حدیث کسی درس میں نہیں چھوٹی، ان کے

علاوہ مزید ۳۵ طلباء ایسے ہیں کہ بخاری شریف کی ان کی کوئی حدیث نہیں چھوٹی، یہ معمولی مجاہدہ نہیں۔

مثالی عزم:

ایک بہت ہی تعجب خیز اور مسرت انگیز بات یہ ہے کہ ابھی دورۂ حدیث سے فارغ التحصیل ہونے والے ۳۹۵ طلباء میں سے ایک صاحب عزم طالب علم محمد اسعد حسینی ایسا بھی ہے (میں چاہوں گا کہ اس وقت وہ یہاں اسٹیج پر آجائیں) خاص بات اس طالب علم کی یہ ہے۔ آپ اندازہ کیجئے اس کے مجاہدے کا، اس کے عزم واستقلال کا۔ کہ آٹھ سال سے یہ دارالعلوم میں زیر تعلیم ہے، ان آٹھ سال کے عرصہ میں کسی دن کسی پیریڈ میں کسی بھی سبق میں اس نے نہ کوئی رخصت لی ہے نہ کوئی غیر حاضری کی ہے نہ رخصت علالت لی۔ آپ اندازہ کیجئے اس کے عزم واستقلال کا، یہ معمولی بات نہیں ہے کہ کوئی طالب علم آٹھ سال اس طرح گزارے کہ کسی ایک گھنٹہ اور کسی ایک پیریڈ میں بھی رخصت نہ لے، غیر حاضری تو بہت بڑی بات ہے، اللہ تعالیٰ اس کے علم میں، عمل میں، اور عمر میں برکت عطا فرمائے، یہ دارالعلوم کے شعبے دارالتربیت کے سابق اتالیق مولانا نورالحسن صاحب کے صاحبزادے ہیں، اصل وطن ان کا برما تھا لیکن جب وہاں کمیونسٹوں نے مظالم ڈھائے تو وہاں سے بہت سے لوگ ہجرت کر کے پاکستان آگئے تھے، تقریباً چالیس سال سے یہ حضرات یہیں آباد ہیں۔ اس طالب علم کو ان شاء اللہ خصوصی انعام بھی دیا جائے گا۔

الحمد للہ تعلیمی سال کا یہ سفر آج پورا ہو رہا ہے، ہم سے بہت سی کوتاہیاں ہوئی ہیں، پتہ نہیں کتنے بے شمار گناہ ہوئے ہیں۔ آج کا دن اس پر بھی توجہ دلاتا ہے کہ ہم اپنی کوتاہیوں پر نظر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی طلب کریں۔

طلبہ اور اساتذہ کی تعداد:

الحمد للہ اس سال ہمارے ہاں جامعہ دارالعلوم میں طلباء کی کل تعداد ۳۹۰۲ تھی،

جامعہ سے ملحق مکاتب میں زیر تعلیم طلباء وطالبات ان کے علاوہ ہیں اور اساتذہ اور معلمات کی تعداد دو سو بیالیس ۲۴۲ تھی، جو دارالعلوم اور اس کے مختلف شعبوں میں اور شاخوں اور مکاتب میں تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور غیر تدریسی عملے کی تعداد ایک سو بتیس ۱۳۲ ہے۔ اس طرح کل ۳۷۴ افراد ہیں جو الحمدللہ اس ادارے کی اور اس کے طلباء کی خدمت میں شب و روز لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائے اور ہمارے کاموں میں اخلاص اور رہنمائی اور دستگیری فرمائے۔

زیر تعمیر جامع مسجد:

الحمدللہ دارالعلوم کی اس زیر تعمیر جامع مسجد کے مرکزی ہال میں آج ختم بخاری کا ہم نے درس پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ ہال اب تکمیل کے قریب ہے، تقریباً دس سال سے اس مسجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے، اور کوشش یہ ہے کہ یہ ہال اب کے رمضان سے پہلے پہلے مکمل ہو جائے تاکہ قدیم مسجد سے ہم یہاں رمضان میں منتقل ہو جائیں اور پرانی مسجد کو توڑ کر اس کو بھی اس نئی مسجد میں شامل کرنے کا کام شروع کیا جا سکے۔ اس مسجد کی تعمیر میں اب تک دس (۱۰) کروڑ انہتر (۶۹) لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں، اور یہ کرم ہے اللہ رب العالمین کا اور برکت ہے ہمارے بزرگوں کی کہ آپ نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ دارالعلوم کراچی کی اس نئی مسجد کے لیے چندہ کرنے کے لیے لوگ پھر رہے ہوں، اخبارات میں اشتہارات آرہے ہوں، سفیر دورے کر رہے ہوں، الحمدللہ الحمدللہ۔ اگرچہ اس طرح کے نیک کاموں کے لیے چندہ کرنا اور اس کے لیے اعلان کرنا بھی شرعاً ممنوع اور ناجائز نہیں، لیکن آج کل بعض اسباب کی بناء پر چندوں کے اعلانات بدنامی کا شکار ہو گئے ہیں، اس لیے ہمارے بزرگ ان سے بڑی حد تک اجتناب کرتے تھے، اور ہمیں بھی یہی ہدایت فرما گئے ہیں۔ البتہ بزرگوں کے طریقے کے مطابق یہ ضرور ہوا کہ جب زیادہ دقت ہوئی تو ہم نے لوگوں کو بتا دیا کہ یہ کام چل رہا ہے آپ کے علم میں لانا مقصود ہے کہ اگر

قرضہ ہو گیا ہے، ہم نے یہ بھی نہیں کیا کہ دیکھیے، لیکن اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنا کام کرا دیا ہے اور اندازہ یہ ہے کہ تقریباً سوا چار کروڑ روپے مزید خرچ ہوں گے اور یہ مسجد ان شاء اللہ مکمل ہو جائے گی، آپ حضرات سے دعا کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور آسانی سے اپنی رضا کے مطابق ریا و نمود کے جذبات سے ہمیں محفوظ رکھتے ہوئے مسجد کو خالص اللہ کی رضا کے لیے مکمل کروا دے۔ الحمد للہ آپ یہاں بیٹھے ہیں اس ہال کا فرش، ماربل کا اعلیٰ درجہ کا تیار ہو چکا ہے اس میں صرف آخری صفائی اور پالش کا کام باقی ہے اور اس طریقے سے یہ بڑا برآمدہ آپ دیکھ رہے ہیں پچاس فٹ چوڑا اور تین سو تیس فٹ لمبا برآمدہ ہے اس کا فرش بھی مکمل ہو چکا ہے، اسی طریقے سے دائیں بائیں کے کوریڈور آپ دیکھ رہے ہیں ان کا اور ان کے اوپر کے جو کوریڈور ہیں ان سب کا فرش بھی اللہ کے فضل و کرم سے ماربل کا ہو چکا ہے۔ اور ہر ایک مصلے کی جگہ جو ماربل لگا ہے جس میں ایک ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اس کا خرچ ستائیس سو (۲۷۰۰/-) روپے ہے، جو ہم نے کبھی کبھی مسجد میں لوگوں کو بتا دیا، الحمد للہ لوگوں نے اس میں حصے لیے، کسی نے ایک مصلی اپنی طرف سے کروا دیا، کسی نے دس کروائے، کسی نے سو کروا دیے، کسی نے سو سے زیادہ بھی کروائے، اللہ کے فضل و کرم سے پوری مسجد کا نصف فرش مکمل ہو گیا ہے، لیکن آج بات آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں تاکہ آپ حضرات دعا میں بھی یاد رکھیں کہ مصلوں کے سلسلے میں بیالیس (۴۲) لاکھ روپے قرض ہو گیا ہے، ایک مصلی ستائیس سو (۲۷۰۰/-) روپے میں بن رہا ہے۔

تفسیر معارف القرآن کا انگریزی ترجمہ

الحمد للہ یہ خوشخبری آپ نے ابھی سنی ہے کہ تفسیر معارف القرآن کی پوری آٹھ جلدوں کا انگریزی ترجمہ مکمل ہو کر اس کی آخری جلد وصول ہوئی ہے۔ اللہ رب العالمین نے برادر عزیز شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے اتنا بڑا کام لیا ہے یہ

خوبیاں اس میں جمع کردی گئی ہیں، اور جدید عصری مشاغل پر سیر حاصل تحقیقی مباحث ان کے علاوہ ہیں۔ یہ بھی اللہ رب العالمین نے اس دارالعلوم کے ذریعہ پورا کرایا، اللہ تعالیٰ دارالعلوم کو اور خدام دارالعلوم کو نظر بد سے بچائے اور اس کا فیض پوری دنیا میں قیامت تک جاری رکھے۔

دینی مدارس اور مغربی دنیا:

اب میں دینی مدارس کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پچھلے کئی سال سے دینی مدارس نہ صرف ملک میں اور نہ صرف عالم اسلام میں، بلکہ پوری دنیا میں خصوصیت سے مغربی دنیا میں زیر بحث ہیں، اور ان پر مختلف حیثیتوں سے مختلف انداز سے ریسرچ کا کام چل رہا ہے، دنیا بھر کے ممالک کے سفراء اور ان کے صحافی اور ان کے دانشور ہمارے پاس آ رہے ہیں، مدرسوں میں آتے ہیں، ہم سے ملتے ہیں، مدرسوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں، انہوں نے یہ سنا ہوتا ہے کہ ان مدرسوں میں دہشت گرد ہوتے ہیں، خوفناک لوگ ہوتے ہیں، لیکن جب وہ مدرسوں میں آتے ہیں تو ان کو پتہ چلتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کیسے اچھے انسان زیر تعلیم ہیں، الحمد للہ اس میں کوئی استثناء نہیں کہ مغربی اور مشرقی غیر مسلم ممالک کے جتنے ایسے نمائندے سرکاری یا غیر سرکاری آئے ہیں وہ یہاں سے غیر معمولی طور پر متاثر ہو کر گئے ہیں۔

ایک خاتون بھی جو انگلینڈ کی تھیں ان کا ہمیں پیغام ملا پاکستانی حکام کے ذریعے کہ وہ دارالعلوم دیکھنا چاہتی ہیں، ہمارے یہاں اصول یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اصول پر ہمیں اخلاص کے ساتھ، پابندی کے ساتھ قائم رکھے۔ کہ خواتین کے بے پردہ درسگاہوں میں جانے کی اجازت نہیں ہے، وہ کسی اونچے عہدے سے متعلق تھیں، اور غالباً صحافت سے بھی ان کا تعلق تھا، پاکستانی حکام سے ہم نے کہا اھلاً وسہلاً وہ خاتون ضرور آئیں، مدرسۃ البنات میں وہ آئیں، وہاں معلمات اور صدر معلمہ ان کا استقبال کریں گی۔ اور صدر معلمہ الحمد للہ میری اہلیہ ہیں، الحمد للہ جب سے مدرسۃ البنات قائم ہوا ہے وہ اعزازی اور رضاکارانہ طور پر

مدرسۃ البنات کی یہ خدمت انجام دے رہی ہیں۔ تو ہم نے کہا کہ ہماری بیگم ان کا استقبال کریں گی۔ اور مدرسۃ البنات کا دورہ کروائیں گی معلمات اور طالبات کے ساتھ جلسہ ہوگا اور طالبات ان کا پروگرام پیش کریں گی۔ لیکن انہوں نے پیغام بھجوایا کہ ہم تو آپ حضرات کے ساتھ ہی میٹنگ رکھنا چاہتے ہیں، ہم نے ان کو جواب بھجوایا کہ ان شاء اللہ یہ بھی ہو جائے گا، لیکن اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ جب وہ مدرسۃ البنات میں آئیں گی تو وہاں کی معلمات ایک خوبصورت چادر ان کو تحفہ میں دیں گی، وہ چادر ان کو اوڑھیں گی، وہ چادر اوڑھ کر ہمارے میٹنگ روم میں آجائیں وہاں ہم لوگوں سے ملاقات ہو جائے گی، چنانچہ الحمد للہ ایسے ہی ہوا، وہ چادر اوڑھ کر ہمارے ساتھ میٹنگ میں بھی شریک ہوئیں اور غیر معمولی اثرات لے کر اس جامعہ سے رخصت ہوئیں، الحمد للہ۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ "اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ لِّمَا جَهِلُوْا" یعنی لوگ اس چیز کے دشمن ہو جاتے ہیں جس سے وہ واقف نہیں ہوتے، مغربی میڈیا خاص طور سے یہودی میڈیا نے دینی مدارس کا ایک خوفناک تصور پوری دنیا میں پھیلایا ہے کہ لوگ طرح طرح کی باتیں سوچتے ہیں لیکن جب یہاں آتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں، ابھی چند روز پہلے کی بات ہے کہ ناروے کے وزیر، سفیر تھے وہ آئے، اسی طرح جرمنی سے آئے اور جب یہاں سے گئے تو انہوں نے غیر معمولی تعریفیں وہاں جا کر کیں، مجھے وہاں کی روایتیں ملی ہیں، انہوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ دار العلوم کیا ہے وہ تو عظیم الشان تعلیمی ادارہ اور یونیورسٹی ہے، الحمد للہ ہماری خواہش ہے۔ بلکہ اب ضرورت ہوگئی ہے۔ دنیا بھر کے لوگ صحافی، دانشور، فلاسفر، سائنسدان اور تعلیمی میدان کے ماہرین، سیاسی لیڈر، سرکاری افسران اور وزراء آکر ہم سے ملیں اور ان مدرسوں کو دیکھیں اور ان کے حالات کو جانیں، ان شاء اللہ امید ہے کہ وہ متاثر ہو کر جائیں گے۔

جہاد اور جنگی قیدی:

سب سے زیادہ ان کا سوال جہاد کے بارے میں ہوتا ہے، کہ ان کو بتاتے ہیں

کہ جہاد اور عام جنگ میں زمین آسمان کا فرق ہے، عام جنگ تو کچھ اور ہے، جہاد کچھ اور، جہاد ایک مقدس عمل ہے جس کی بہت سی شرطیں ہیں بہت سی پابندیاں ہیں مثلاً یہ کہ دشمن کے ساتھ بھی عہد شکنی کی حالت میں شرکی نہ جائے، عین جنگ کے اندر بھی دشمن کے کسی بچے کو، کسی عورت کو، کسی بوڑھے کو، کسی مذہبی پیشوا کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، اور دشمن کا جو شخص آپ سے لڑ رہا ہے اس کے بھی ناک، کان، آنکھ نہ کاٹے جائیں، اور اگر دشمن قید میں رکھا جائے تو ان کو تمام انسانی حقوق دیئے جائیں، اور ان کا معقول انتظام کیا جائے، وہ ظلم نہ ہو جو ابوغریب جیل میں عراق میں مسلم قیدیوں کے ساتھ کیا گیا ہے، وہ کام نہ ہو جو کیوبا میں افغانستان کے قیدیوں کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ بات میں نے امریکہ کی بھی ایک تقریر میں کہی تھی، واشنگٹن میں ایک بڑا اجتماع تھا، یاں کی بات ہے جب پوری دنیا میں غلامی کا رواج تھا، اور یہ بھی بتلایا کہ اسلام میں غلام صرف جنگی قیدیوں کو بنایا جاتا تھا، جبکہ دنیا میں اُس وقت جنگل کا قانون چل رہا تھا کہ جس طاقتور کو موقع ملتا وہ کمزور کو غلام بنا لیتا تھا، غلام بنانے کے لیے کسی شرط کی پابندی نہیں تھی، غلاموں کے کوئی حقوق نہیں تھے۔ ہر ایک کو غلام نہیں بنایا جا سکتا اور جنگی قیدیوں کو بھی غلام بنانے کے لیے کڑی شرطیں ہیں اور اب وہ شرطیں نہیں پائی جاتیں اس لیے اب بحالت موجودہ کسی کو غلام نہیں بنایا جا سکتا، اور جنگی قیدیوں کو غلام تمام شرائط کے ساتھ بنا لیا جاتے تو ان کے بھی بہت سے حقوق ہوتے تھے، تو میں نے اس اجتماع میں کہا کہ کیوبا کے جو قیدی ہیں ان کے مقابلے میں وہ جنگی قیدی بدرجہا خوش قسمت ہوں گے جو بالفرض اسلام کے قاعدے کے مطابق غلام بنا لیے جائیں، کیوبا کے اندر مسلم قیدیوں کے ساتھ جو انسانیت سوز سلوک کیا گیا، اسلام میں ہرگز اس کی گنجائش نہیں، الحمد للہ۔

دعوت الی اللہ:

ایک بات میں آپ سے عرض کروں گا کہ اعدائے اسلام کی سمجھ میں اب یہ بات آگئی ہے کہ اسلام کی اصل طاقت ان مدرسوں میں ہے، اسلام کے اصلی قلعے یہ

مدرسے ہیں، یہی وہ مدرسے ہیں جہاں سے تبلیغ نکلتی ہے اور دعوت الی اللہ کے قافلے تیار ہوتے ہیں، یہی وہ مدرسے ہیں جہاں دین کے دوسرے مسائل کی طرح جہاد کے مسائل بھی پڑھائے جاتے ہیں، اور اللہ کے راستے میں جہاد کا ذہن تیار ہوتا ہے۔ یہی وہ مدرسے ہیں جہاں سے دین کی اور اسلام کی اشاعت ہوتی ہے، اور یہی وہ مدرسے ہیں جن کے اندر دین کی اعلیٰ سطح کی تعلیم دے کر علماء دین تیار کیے جاتے ہیں۔ اور قرآن وسنت کے علوم کو زندہ رکھا جاتا ہے۔ اب وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگر اسلام کو مٹانا ہے اور مسلمانوں کو مٹانا ہے تو سب سے پہلے ان مدرسوں کو مٹانا ضروری ہے، تو میں خاص طور پر طلبہ سے کہوں گا کہ یاد رکھو! اس وقت پورے عالم کفر کی دشمنیوں کا نشانہ تم ہو، تمہارے اوپر سب سے زیادہ نظریں ہیں، پاکستان کے ایٹمی پلانٹ پر شاید ان کی اتنی نظریں نہ ہوں جتنی نظریں تمہارے اوپر ہیں، وہ تمہیں اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ غلط سمجھتے ہیں، تم ان کے دشمن نہیں ہو، تم تو داعی الی اللہ ہو، ان کو جنت کی طرف بلانے والے ہو، تم اپنے عمل سے بتلاؤ کہ تم ان کے دشمن نہیں بلکہ خیر خواہ ہو، اور داعی الی اللہ ہو، اللہ کی طرف لانے اور دعوت دینے والے ہو، اور جہنم سے بچا کر جنت میں پہنچانے والے ہو۔

سنت انبیاء سے کام لو "وقولا لہ قولا لینا" پر عمل کرو، اور "اُدْعُ إِلٰی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" پر عمل کرو کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے کافروں کو کس کس طریقے سے محبتوں سے، پیار سے، خیر خواہی سے سمجھا کر خوشامدیں کر کر کے ان کو دعوت الی اللہ دی ہے، تم بھی داعی الی اللہ ہو، دنیا تمہیں سمجھتی ہے کہ تم ان کے دشمن ہو، تم ان کے خیر خواہ ہو، محبت کرنے والے ہو، تم ان کے لیے نجات کا ذریعہ بننا چاہتے ہو، یہ اپنے عمل سے ثابت کرو، آپ کا عمل ایسا ہونا چاہیے کہ دنیا کو آپ کی طرف سے محبت کا، سلامتی کا اور خیر خواہی کا پیغام ملے۔

اہل مدارس سے ایک درخواست:

آپ سے میری درخواست یہ ہے کہ ان مدرسوں کے خلاف چھاپے پڑ رہے

ہیں طرح طرح کی سازشیں ہورہی ہیں اور بلاشبہ بیرونی دباؤ بہت ہے ہماری حکومت پر، لیکن اللہ کے بھروسے پر ایک بات کہتا ہوں کہ خدانخواستہ اگر ان مدرسوں پر کوئی برا وقت آیا تو وہ ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے آئے گا۔ حکمت کے بغیر کام کرنے کی وجہ سے آئے گا، سنت انبیاء کو چھوڑنے کی وجہ سے آئے گا۔ فرقہ واریت کی باتوں سے آئے گا۔ مالی امور میں حساب کتاب کی گڑبڑ سے آئے گا، تقویٰ کی کمی سے آئے گا، اخلاص کی کمی سے آئے گا، حُبِ جاہ کی وجہ سے آئے گا۔ حُبِ مال کی وجہ سے آئے گا۔ اگر یہ باتیں ہمارے اندر نہ ہوئیں ہم نے اخلاص کے ساتھ، تقویٰ کے ساتھ، سنت انبیاء کو سامنے رکھ کر۔ اور جو کچھ ہم نے ان احادیث میں پڑھا ہے اور قرآن کریم نے جو کچھ تعلیم ہمیں دی ہے، انبیاء کرام کا جو طریقہ ہمیں سکھلایا ہے ہم اسی پر کاربند رہے تو۔ ان شاء اللہ، ان شاء اللہ۔ اللہ کے بھروسے پر عرض کرتا ہوں۔ کوئی ان مدرسوں کا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے گا۔ میری درخواست آپ سب حضرات سے یہی ہے کہ اخلاص اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائیں، مدرسوں کے اندر جو چندہ آتا ہے اس کو بہت احتیاط سے استعمال کریں، اور صرف احتیاط سے استعمال کرنا کافی نہیں، حساب کتاب بھی صاف ہونا چاہیے اور حساب کتاب کا صاف ہونا نظر بھی آنا چاہیے۔ کاغذات میں حسابات میں بالکل ایک ایک چیز آپ ثابت کرسکیں کہ جو چندہ آیا تھا وہ کہاں لگا ہے۔

ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ مدرسوں کو مورد الزام ٹھہرانے اور بدنام کرنے کے لیے اور ان کے خلاف کاروائیاں کرنے کے لیے حسابات کو ذریعہ بنایا جائے گا۔ کچھ اطلاعات ہمیں ملی ہیں، اس وجہ سے میں اہل مدارس سے درخواست کرتا ہوں کہ الحمد للہ آپ حضرات بڑے اخلاص سے کام کر رہے ہیں حساب کتاب بھی صاف سہی مگر حساب کتاب ایسے انداز میں رکھیے جس کو دنیا حساب کتاب سمجھتی ہوتا کہ کسی کو انگلی رکھنے کا موقع نہ مل سکے۔

حضرت والد ماجدؒ کا ایک واقعہ:

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا چکا ہوں انتقال سے چند روز پہلے کی بات ہے فرمانے لگے دیکھو وہ ایک تار بندھا ہوا ہے جس کے اندر بہت سارے کاغذ پروئے ہوئے ہیں، وہ تار اٹھا لاؤ، میں اٹھا لایا تو اس پر بہت سارے کیش میمو تھے دارالعلوم کے مطبخ سے آٹا جاتا تھا خریدا جاتے تھے، اور ذاتی کام میں خرچ ہوتی رہی اس کا معاوضہ ادا کئے پیسے، دارالعلوم کی کار کی ذاتی کام میں استعمال ہوئی اس کے پیسے جمع کرائے گئے اس کا کیش میمو، قرض، رسیدیں اور کیش میمووں کا ایک موٹا گٹھا تھا فرمایا کہ اگرچہ اس کا حساب مکمل ہو چکا، میں ادائیگی بھی کر چکا، اب ان کو محفوظ رکھنے کی کوئی اور ضرورت نہیں لیکن میں اس واسطے رکھتا ہوں کہ بعض لوگ تہمت لگایا کرتے ہیں اہل مدارس پر کہ یہ لوگ چندہ کھاتے ہیں، مدرسہ کا پیسہ کھاتے ہیں، یہ میں نے اس واسطے رکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے تو اس کے منہ پر مارے کہ ان کاغذوں کو دیکھو۔ حالانکہ اس زمانے میں مدرسوں کے خلاف ایسی باتیں بھی نہیں تھیں جتنی اب ہو رہی ہیں۔ اس وجہ سے میری درخواست خاص طور سے طلبہ سے بھی ہے کیونکہ ان شاء اللہ آپ جا کر اپنے مدرسوں سے متعلق ہوں گے، کوئی مدرس بنے گا، کوئی اور ذمہ داریاں اٹھائے گا، اپنے مدرسوں کے حسابات کو اور وہاں کی اخلاقی تربیت کو اور وہاں کے تعلیم کے معیار کو اپنا سب سے بڑا اہم مقصد بنائیں، اللہ ہر قسم کے فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

فرقہ واریت سے اجتناب ضروری ہے:

ایک بات اور عرض کروں، کہ فرقہ واریت سے اجتناب کریں، ہمارے بعض دینی حلقوں میں یہ عادت پڑ گئی ہے کہ تقریر کرتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی فرقے کے خلاف ہوتی ہے، دیوبندی بریلوی کے خلاف، بریلوی دیوبندی کے خلاف، اہل حدیث غیر اہل حدیث کے خلاف تقریریں کرتے ہیں، یاد رکھئے دشمن ان اختلافات کو نہیں دیکھتا وہ تو آپ کا بھی دشمن ہے، ہر مکتب فکر کا، ہر مسلک کا دشمن ہے، وہ دشمن ہے اللہ و رسول کے ماننے والوں کا، اس واسطے خدا کے لیے ان فرقہ واریت کے جھگڑوں کو چھوڑ دیجئے تو

تفسیر احکام القرآن کی تکمیل

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

موضوع: تفسیر احکام القرآن کی تکمیل

مقام: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کامران بلاک، لاہور

تکمیل کا کام باقی تھا الحمد للہ اب اس ادارے سے اور اس ادارے کے فاضل منتظم کی مساعی سے پورا فرمایا۔ ہمارے برادر محترم جناب ڈاکٹر محمد غازی صاحب نے بڑا پر مغز مقالہ ابھی آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور جب تک ان کے ذمے وزارت کی ذمہ داریاں نہیں تھیں، اس سے پہلے تو ان کی اس قسم کی علمی تقریریں اور تحریریں سامنے آتی رہتی تھیں۔ کچھ عرصہ ہم نے اسلامی نظریاتی کونسل میں مل کر کام بھی کیا ہے اور مجھے ہمیشہ اس بات کی خوشی رہی ہے کہ اللہ نے اس معاملے میں ان کو ذہن رسا عطا فرمایا ہے اور محنت کا ذوق بھی عطا فرمایا ہے۔ لیکن وزارت کی موجودہ ذمہ داری کے ساتھ جو ہم معلومات آج اس معاملے میں سامنے آئیں وہ توقع سے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور جو منصب اللہ نے ان کو عطا فرمایا ہے اس منصب کو ملک اور ملت کے لیے اور دین کی ترقی اور استحکام کے لیے بہترین ذریعہ بنائے۔

وقت چونکہ کافی ہو چکا ہے اور نظام الاوقات کے حساب سے تو مجھے تقریر ختم کرنی چاہیے دس بج کر چودہ منٹ پر۔ صرف تین منٹ باقی ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلسے کے منتظمین نے اس معاملے میں تھوڑی سی سہولت خطاب کرنے والے حضرات کو دے رکھی ہے۔ میں اس سہولت سے کوئی ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھانا چاہتا لیکن ضروری حد تک فائدہ حاصل کر کے بس مختصر سی ایک دو باتیں جو میرے نزدیک اس مجلس کے لیے شاید ضروری ہوں انہیں پر اکتفاء کروں گا۔

استنباط احکام میں اکابر کی محنتیں:

میں بہت مختصر بات کروں گا۔ آپ نے ابھی ڈاکٹر غازی صاحب کے مقالے میں اس بات کا مختصر سا جائزہ سنا کہ کس طرح صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کی آیات سے احکام کو مستنبط کرنے کے لیے محنتیں کیں۔

اور کس کس طریقے سے قرآن کی باریکیوں سے احکام کو نکالا اور امت میں بعد میں آنے والے اہل علم کے لیے احکام کو مستنبط کرنے کے اصول فراہم کیے اس سلسلہ میں

آپ نے امام شافعیؒ کا واقعہ اور دوسرے بزرگوں کے واقعات بھی سنے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے برصغیر کے اعلیٰ درجے کے منتخب علماء جو اس وقت ان کو بہتر سے بہتر دستیاب ہو سکتے تھے ان کو احکام القرآن کے لکھنے پر مامور کیا تھا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ (صاحب اعلاء السنن) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل صاحبؒ۔

ایک عام سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال ہے جو عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں آیا کرتا ہے پس اس کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کریم سے احکام نکالنے کا کام اتنا مشکل تھا کہ چوٹی کے دماغ اس پر لگے رہے اور چودہ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے وہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ بلاشبہ یہ بہت مشکل کام ہے، غیر معمولی ذہانت، غیر معمولی حافظہ، اجتہادی عمیر سے اور وسیع درجہ کا علم حدیث اور عربی زبان کی مہارت وغیرہ بہت ساری شرطیں جب تک کسی شخص میں مکمل نہ ہوں وہ قرآن مجید کے احکام نہیں نکال سکتا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورہ قمر میں اللہ تعالیٰ نے بار بار ایک ارشاد فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾

''کہ ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لیے (یا یاد کرنے کے لیے) کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟''

کئی بار یہ جملہ آیا ہے۔

قرآن کے لیے اعلیٰ درجہ کی مہارت کی ضرورت ہے:

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن تو جگہ جگہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں اتنا آسان ہوں

کہ اعلان عام ہے تمام انسانوں کو کہ کوئی بھی آئے اس سے نصیحت حاصل کرلے اور جو تفصیل بھی آپ نے کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اتنا آسان نہیں ہے اس کے لیے بڑے بڑے علوم وفنون کی ضرورت ہے اعلیٰ درجہ کی مہارت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ

پوری زندگیاں جن لوگوں نے لگا دیں وہ بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ انہوں نے قرآن مجید کے سارے احکام نکال لیے ہیں۔ بہرحال یہ ایک سوال ہے۔ جس کا جواب سامنے آنا چاہیے۔ لیکن قرآن کریم نے اس سوال کا جواب بھی دیا ہے یہاں تو یہ فرمایا کہ

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾

لیکن دوسری جگہ پر قرآن کریم نے کہا سورۃ النحل میں کہ:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

"ہم نے نازل کی ہے آپ کے اوپر یہ یادداشت یعنی قرآن کریم تاکہ آپ اس کو بیان کریں یعنی اس کی تشریح فرمائیں لوگوں کے سامنے۔"

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ قمر میں تو اعلان عام ہے کہ ہر ایک اس سے نصیحت حاصل کرے، تو پھر جب قرآن کریم اتنا آسان ہے کہ ہر ایک اس سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے تو پھر اس کی تشریح وتفسیر کی ضرورت ہی کہاں رہی؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے یہ خدمت کیوں سپرد کی گئی کہ آپ اس کی تشریح کریں۔

مقاصد بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

چار جگہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے، سورۃ البقرہ میں دو جگہ، سورۃ آل عمران میں ایک جگہ، سورۃ الجمعہ میں ایک جگہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد ہیں ان میں سے ایک مقصد چاروں جگہ یہ بیان فرمایا گیا ہے

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ﴾
کہ "قرآن کی تعلیم دیں"۔

یہ ایک مقصد تھا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا کہ آپ قرآن کی تعلیم دیں لوگوں کو، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخاطب کون لوگ تھے، عرب تھے، بڑے نامی بلیغ و فصیح شعراء تھے، ادیب تھے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب کی مادری زبان عربی تھی۔ عربی زبان کے ایسے ماہرین اس زمانے میں موجود تھے کہ اگر ان میں سے کوئی کھڑا ہو جائے تو فی البدیہ سینکڑوں اشعار کہہ ڈالے۔ ان کے لیے حضور ﷺ کو مامور کیا گیا کہ آپ قرآن کریم کی تعلیم ان کو دیں۔ ان کو قرآن سکھائیں کس کو؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو، عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کو جن کی مادری زبان عربی ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کے رفیق خاص تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن اتنا آسان تھا کہ ہر ایک اس کو سمجھ سکتا تھا تو رسول اللہ ﷺ کے ذمہ یہ خدمت کیوں سپرد کی گئی کہ آپ اتنے بڑے بڑے ادیبوں، شاعروں، بلیغوں، فصیحوں اور عربی زبان کے ماہرین کو قرآن سکھائیں۔

قرآن حکیم نے اس کا جواب دے دیا ہے، بلکہ جس آیت سے یہ سوال پیدا ہوا اسی میں جواب دے دیا اور کہا:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾

تفصیل اس کی یوں ہے: قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، یہ نہ فلسفہ کی کتاب ہے۔ نہ سائنس کی کتاب، نہ صرف قانون کی کتاب ہے۔ نہ محض وعظ و نصیحت کی کتاب ہے، بلکہ یہ کتاب ہدایت ہے۔ اس میں ضمنی درجے کے علوم و فنون اور حکمت فلسفہ کے مضامین بھی آگئے ہیں، اسلامی قانون بھی آیا ہے۔ حقائق بھی آگئے ہیں۔ عبادات کا بیان بھی آیا ہے۔ آئندہ کی خبریں بھی آگئی ہیں۔ پچھلی قوموں کے حالات کا ذکر بھی آیا

ہے۔ آخرت کا بیان بھی آیا ہے۔ اور اس میں پورے نظام زندگی کے اصول پوری بنی نوع انسان کو دیے گئے ہیں، لیکن یہ صرف احکام کی کتاب نہیں کہ بس فقہ کی کتاب کی طرح اوپر سے لے کر آخر تک پڑھتے جاؤ تو سارے احکام ترتیب وار مل جائیں اور ختم ہو جائیں۔ نہیں۔ یہ اس لیے کہ یہ حاکمانہ کتاب بھی ہے، حکیمانہ کتاب بھی ہے، اس میں قانون بھی آتا ہے، نصیحت بھی آتی ہے، وعظ وعبرت کی باتیں بھی آتی ہیں عقل وحکمت کے عجیب وغریب راز بھی اس میں واضح کیے جاتے ہیں۔

تو قرآن نے یہ کہا کہ:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾

قرآن آسان ہونے کا مطلب:

کہ ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے کس کام کے لیے؟ نصیحت حاصل کرنے کے لیے، ''الذکر'' کی قید لگا دی کہ قرآن ہر کام کے لیے آسان نہیں، بلکہ نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان ہے، احکام ومسائل سمجھنے کے لیے آسان نہیں، اس کے لیے تو عمریں کھپانی پڑتی ہیں۔ اس میں مہارت کے لیے بڑے بڑے سخت مرحلے عبور کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن ہاں نصیحت حاصل کرنے کے لیے اور یاد کرنے کے لیے آسان ہے۔ ذکر کے معنی دو آتے ہیں۔ یاد کرنا اور نصیحت حاصل کرنا تو قرآن کریم نے یہ جتلا دیا کہ سورہ قمر کی ان آیات میں جو بار بار فرمایا گیا ہے کہ ﴿ولقد یسرنا القرآن﴾ یعنی ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے، حفظ یاد کرنے کے لیے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے۔ چنانچہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ دنیا میں کسی کتاب کے حافظ نہیں ہیں لیکن قرآن مجید کے حافظ موجود ہیں لاکھوں حافظ قرآن موجود ہیں، مسلمانوں کے بچے بھی حافظ قرآن ہوتے ہیں۔ کسی دوسری قوم کے پاس کوئی ایسی کتاب نہیں تو اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کے لیے قرآن کو اتنا آسان کیا۔ نصیحت حاصل کرنے کے لیے بھی اتنا آسان کیا کہ کوئی شخص اگر عربی زبان جانتا ہے یا نہیں جانتا تو ترجمہ پڑھ لے تو اس کے دل پر گہرا اثر

ہوتا ہے۔ اگر وہ اس سے ہدایت و نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ آسانی سے مل جاتی ہے۔

قرآن سے احکام نکالنا انتہائی مشکل کام ہے:

جہاں تک احکام قرآن کا معاملہ ہے۔ یہ انتہائی مشکل کام ہے۔ یہ احکام قرآن، قرآن کریم کی آیات میں کہیں کہیں بالکل ظاہر ہیں اور کہیں کہیں یہ ایسے پوشیدہ ہیں جیسے سونے کی کان میں سونے کے ذرات بند ہوتے ہیں۔ ان چٹانوں کو توڑ کر اور پیس کر اور چورا چورا کر کے اس کو چھان کر اندر سے سونا نکالنا آسان کام نہیں ہے، اس کے لیے بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور اسی کے لیے ہمارے فقہاء کرام نے اور مفسرین نے اپنی عمریں لگائی ہیں۔ تو عام طور سے یہ مغالطہ ہو جایا کرتا ہے کہ چونکہ قرآن بہت آسان ہے اس لیے ہر ایک مفسر بننے کی کوشش کرتا ہے۔ بہت سے حضرات کو ہم نے دیکھا کہ عمر بھر کبھی انہوں نے نہ عربی سیکھی، نہ پڑھی اور جب سرکاری عہدے سے ریٹائرڈ ہو گئے تو معلوم ہوا کہ تفسیر قرآن لکھ رہے ہیں۔ بھئی تفسیر قرآن آپ کیسے لکھ رہے ہیں؟ درحقیقت وہ یہ سمجھے ہیں کہ قرآن نے چونکہ کہا ہے کہ بہت آسان ہے اس واسطے بس ہم بھی تفسیر لکھ سکتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ احکام القرآن نکالنا اور استنباط کرنا بہت گہری مہارت اور بہت طویل محنت کا تقاضا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور ہمارے ان بزرگوں کی قبروں کو نور سے بھر دے کہ انہوں نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا اور اپنے زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے امت کی رہنمائی فرمائی، اور اپنے زمانے میں جو جدید مسائل پیدا ہوئے تھے ان کو قرآن کریم کی روشنی میں حل کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس سے اکتساب خیر کی توفیق عطا فرمائے۔

(وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین)

محمد عربی ﷺ

انسائیکلوپیڈیا

مؤلف

ڈاکٹر ذوالفقار کاظم

بیت العلوم

انبیائے کرام علیہم السلام

انسائیکلوپیڈیا

مؤلف

ڈاکٹر ذوالفقار کاظم

بیت العلوم